ماہنامہ

اشراق

لاہور

فروری ۲۰۲۲ء

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

”جب اِس کائنات کی ہر چیز اپنے اندر ایک غایت و حکمت رکھتی ہے اور اِس کے لیے ایک مدت بھی مقرر ہے تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان جو اِس کے اندر، واضح طور پر، ایک برتر مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے، بالکل بے مقصد اور عبث پیدا کیا گیا ہو؟ اِس چیز کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک روز جزا و سزا آئے جس میں وہ اپنے اعمال کی بابت مسؤل ہو، اپنی نیکیوں کا صلہ پائے، اگر اُس نے نیکیاں کی ہوں اور اپنی بدیوں کی سزا بھگتے، اگر اُس نے بدیاں کمائی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کارخانۂ کائنات ایک کھلنڈرے کا کھیل اور انسان ایک شتر بے مہار اور بے غایت و مقصد وجود بن کے رہ جاتا ہے اور یہ بات اِس کائنات کی اُس مقصدیت اور حکمت کے بالکل منافی ہے جس کی شہادت اِس کے ہر گوشے سے مل رہی ہے۔“

—— قرآنیات

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد

ادارۂ علم و تحقیق

المورد ملت اسلامیہ کی عظیم علمی روایات کا امین ایک منفرد ادارہ ہے۔ پندرھویں صدی ہجری کی ابتدا میں* یہ ادارہ اِس احساس کی بنا پر قائم کیا گیا ہے کہ تفقہ فی الدین کا عمل ملت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ فرقہ دارانہ تعصّبات اور سیاست کی حریفانہ کشمکش سے الگ رہ کر خالص قرآن و سنت کی بنیاد پر دین حق کی دعوت مسلمانوں کے لیے اجنبی ہو چکی ہے۔ قرآن مجید جو اِس دین کی بنیاد ہے، محض حفظ و تلاوت کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ دینی مدرسوں میں وہ علوم مقصود بالذات بن گئے ہیں جو زیادہ سے زیادہ قرآن مجید تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے تھے۔ حدیث، قرآن و سنت میں اپنی اساسات سے بے تعلق کر دی گئی ہے اور سارا زور کسی خاص مکتب فکر کے اصول و فروع اور دوسروں کے مقابلے میں اُن کی برتری ثابت کرنے پر ہے۔

المورد کے نام سے یہ ادارہ اِس صورت حال کی اصلاح کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ چنانچہ اِس ادارے کا بنیادی مقصد دین کے صحیح فکر کی تحقیق و تنقید، تمام ممکن ذرائع سے وسیع پیمانے پر اُس کی نشر و اشاعت اور اُس کے مطابق لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام ہے۔

اِس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے، اُس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ عالمی سطح پر تذکیر بالقرآن کا اہتمام کیا جائے۔

۲۔ قرآن و سنت کے مطابق خدا کی شریعت اور ایمان و اخلاق کی تعلیم دی جائے۔

۳۔ دین کے صحیح الفکر علما اور محققین کو فیلو کی حیثیت سے ادارے کے ساتھ متعلق کیا جائے اور اُن کے علمی، تحقیقی اور دعوتی کاموں کے لیے اُنھیں ضروری سہولتیں فراہم کی جائیں۔

۴۔ لوگوں کو آمادہ کیا جائے کہ جہاں جہاں ممکن ہے:

ا۔ اسلامی علوم کی ایسی درس گاہیں قائم کریں جن کا مقصد دین کے صحیح الفکر علما اور محققین تیار کرنا ہو۔

ب۔ ایف اے، ایف ایس سی اور اے لیول تک نہایت اعلیٰ معیار کے اسکول قائم کریں جن میں تعلیم و تعلم کے ساتھ طالب علموں کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشو و نما اور اُن کی دینی اور تہذیبی تربیت بھی پیش نظر ہو۔

ج۔ عام اسکولوں کے طلبہ کی دینی تعلیم کے لیے ایسے ہفتہ وار مدارس قائم کریں جن میں قرآن کی دعوت خود قرآن ہی کے ذریعے سے طالب علموں کے ذہن میں اِس طرح راسخ کر دی جائے کہ بعد کے زمانوں میں وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہ سکیں۔

د۔ ایسی خانقاہیں قائم کریں جہاں لوگ وقتاً فوقتاً اپنے دنیوی معمولات کو چھوڑ کر آئیں، علما و صالحین کی صحبت سے مستفید ہوں، اُن سے دین سیکھیں اور چند روز کے لیے یک سوئی کے ساتھ ذکر و عبادت میں مشغول رہ کر اپنے لیے پاکیزگی قلب و نظر کا اہتمام کریں۔

---

* شعبان ۱۴۰۳ھ بمطابق جون ۱۹۸۳ء۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ماہنامہ
اشراق
لاہور

جلد ۳۴ شمارہ ۲ فروری ۲۰۲۲ء رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

زیر سرپرستی
جاوید احمد غامدی

مدیر
سید منظور الحسن

فی شمارہ 50 روپے
سالانہ 500 روپے
رجسٹرڈ 1000 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر)

بیرون ملک
سالانہ 50 ڈالر

فہرست

شذرات

فکر غامدی کا مستقبل؟ — سید منظور الحسن — ۴

قرآنیات

البیان: الروم ۳۰: ۱-۱۸ (۱) — جاوید احمد غامدی — ۷

معارف نبوی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب — جاوید احمد غامدی / محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز — ۱۵

مقالات

''میزان'': توضیحی مطالعہ: حدود و تعزیرات (۱) — محمد عمار خان ناصر — ۲۳

نقطۂ نظر

کیا مسلم معاشرے جمہوریت کے لیے سازگار نہیں؟ — خورشید احمد ندیم — ۳۲

مسیح اور توہین مذہب کی صلیب — ڈاکٹر عرفان شہزاد — ۳۶

سیر و سوانح

مہاجرین حبشہ (۴) — محمد وسیم اختر مفتی — ۳۹

اصلاح و دعوت

عالمی مذاہب پارلیمان — محمد ذکوان ندوی — ۵۰

وفیات

آغا جی — ڈاکٹر محمد جواد — ۵۴

Post Box 5185, Lahore, Pakistan.
www.ghamidi.net, www.javedahmadghamidi.com
https://www.facebook.com/javedahmadghamidi
http://www.javedahmadghamidi.com/index.php/ishraq

سید منظور الحسن

فکر غامدی کا مستقبل؟

[غامدی صاحب کے بارے میں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زمانۂ حاضر کی نہیں، بلکہ مستقبل کی شخصیت ہیں۔اِس وقت اُن کا فکر نا مقبول ہے، لیکن بہ تدریج یہ فروغ پائے گا اور سو سال بعد رائج اور مقبول ہو گا۔اِس کے برعکس دیگر لوگوں کے نزدیک اُن کے فکر کی مقبولیت کا کوئی امکان نہیں ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُنھوں نے رائج اور مقبول عام فکر کی تردید کی ہے اور اُس کے مقابل میں نیا فکر پیش کیا ہے۔اِن خیالات پر خود غامدی صاحب نے ایک سوال کے جواب میں تبصرہ کیا ہے۔زیرِ نظر تحریر اسی تبصرے پر مبنی ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں دین کا ایک طالب علم ہوں۔اِس حیثیت سے دین سب سے پہلے میرا اپنا مسئلہ ہے۔یہ میرے پروردگار کی ہدایت ہے جو سب سے پہلے میری ضرورت ہے۔مجھے اُسے اپنے لیے سمجھنا ہے اور اپنے لیے اختیار کرنا ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اپنی قبر میں جانا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔لہٰذا یہ میرا مسئلہ ہی نہیں ہے کہ دنیا میری بات کو کیا حیثیت دیتی ہے؟اُسے قبول کرتی ہے یا رد کر دیتی ہے؟آج کتنے افراد میرے ہم فکر ہیں اور کل اُن میں کتنا اضافہ ہو گا؟اِس وقت لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں اور سو سال بعد کیا کہیں گے؟اِن باتوں سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔یہ دنیا پروردگار کی ہے۔اِس پر اُسی کی بادشاہی قائم ہے۔وہ جانے کہ اُس نے آج کیا کرنا ہے اور وہ جانے کہ اُس نے سو سال بعد کیا کرنا ہے۔مجھے تو بس اپنی فلاح کی، اپنی نجات کی فکر ہے۔اِس کے لیے مجھے دین کو سمجھنا بھی ہے اور اُس پر عمل بھی کرنا ہے۔انسان کی حیثیت سے میرا کام اِس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ میں اپنے علم و عمل میں، اپنی جد وجہد میں، اپنے طریقۂ کار میں، اپنی گفتگوؤں میں، اپنی تصنیفات میں، اپنے اداروں میں اِسی جگہ تک محدود رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اِس کے بعد میں اگر لوگوں کو دین بتانے کا کام کرتا ہوں تو اداے فرض کے لیے کرتا ہوں۔ اللہ کا حکم ہے کہ اگر ہمیں دین کا علم حاصل ہو تو اُسے دوسروں تک پہنچائیں تاکہ وہ بھی اللہ کی گرفت سے محفوظ ہو سکیں۔ لہٰذا میں اِسے اپنی دینی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ جب مجھ پر کوئی حقیقت واضح ہو جائے تو اُسے ایک طالب علم کی حیثیت سے لوگوں کے سامنے پیش کر دوں۔ یہ بتا دوں کہ اُس کی نوعیت کیا ہے، اُس کی بنیاد کیا ہے، اُس کا استدلال کیا ہے؟ پھر اُس پر کوئی سوال یا اعتراض ہو تو تنقیح کر کے اُس کا جواب دے دوں۔ اِس سے زیادہ نہ میری کوئی ذمہ داری ہے اور نہ اِس سے آگے بڑھ کر مجھے کسی چیز سے دل چسپی ہے۔

مستقبل کی پیشین گوئیاں کرنا میرا کام نہیں ہے۔ یہ چیز میرے ذوق کے بھی خلاف ہے۔ مجھ سے محبت رکھنے والوں نے اگر ایسی بات کی ہے تو میں اُنھیں بھی نصیحت کروں گا کہ اپنے اخروی مستقبل کی فکر کریں۔ دنیوی مستقبل کے بارے میں دعوے کرنا ہمارا منصب نہیں ہے۔ کل کس کا ذکر بلند ہو گا، کس کی بات مقبول ہو گی، کس کو پذیرائی ملے گی، یہ ہمارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ یہ اللہ کے معاملات ہیں اور اُسی کے علم اور اُسی کے اذن پر منحصر ہیں۔ ہمیں اِن کے بارے میں فکر کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تمام تر توجہ دین سیکھنے، اُس پر عمل کرنے اور حتی المقدور اُسے دوسروں تک پہنچانے پر صرف کریں۔

جان رکھیں کہ کسی نقطۂ نظر کی مقبولیت یا نامقبولیت اُس کی درستی یا نادرستی کا معیار نہیں ہے۔ دنیا میں جب کوئی دعوت پروان چڑھتی ہے تو بعض اوقات اُس کا سبب اللہ کا خاص فیصلہ ہوتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی کسی حکمت کے پیش نظر کسی فکر کے فروغ کے اسباب پیدا فرما دیتے ہیں۔ تاہم، عام حالات میں اِس کا سبب دنیا میں کارفرما متعین عوامل ہوتے ہیں۔ یہ اگر کسی فکر کو میسر آجائیں تو اُسے اثر و نفوذ اور قبول عام حاصل ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی سیاسی نظریہ، کوئی سماجی نقطۂ نظر، کوئی دینی فکر، کوئی مذہبی تعبیر جب دنیا میں عروج حاصل کرتی ہے تو اُس کے پیچھے بہت سے دنیوی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ جس نقطۂ نظر کے حق میں وہ زیادہ جمع ہو جائیں، اُسے فروغ مل جاتا ہے۔

یہ بات زیادہ قابل فہم ہو سکتی ہے، اگر اِسے عام انسانوں اور تحریکوں کے پس منظر سے اوپر اٹھ کر اللہ کے نبیوں کی دعوت کے تناظر میں دیکھ لیا جائے۔ وہ عظیم لوگ جو پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، جو —— نوع انسانی کے گل سر سبد، نخل فطرت کے بہترین ثمر اور کمال انسانیت کے مظہر اتم تھے —— اور جن کی دعوت کی صحت اور صداقت ہر شک و شبہے سے پاک ہے، اُن میں بہت سے ایسے ہیں کہ جن کی دعوت کو اُن کے سامنے تو کیا، اُن کے

بعد بھی قبول نہیں کیا گیا۔ جن پیغمبروں کی دعوت مقبول ہوئی، اُن میں سے ایک نام سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا ہے۔ اللہ کے نبیوں سے منسوب دعوتوں میں سے سب سے زیادہ فروغ آپ کی نسبت سے پیش کی گئی دعوت کو ملا ہے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ یہ فروغ اُس وقت ملا، جب سینٹ پال نے آپ علیہ السلام کی دعوت کو ایک نئی صورت میں تبدیل کر دیا۔ اِس سے واضح ہے کہ کسی دعوت کا عروج اور کسی کا زوال یا ایک کی مقبولیت اور دوسری کی نامقبولیت حق و باطل کا معیار نہیں ہے۔ اِس کی بنا پر صحیح اور غلط کا تعین نہیں کرنا چاہیے۔ میرا خیال ہے: عاقلاں را اشارہ کافی است۔

چنانچہ میں نہ لوگوں کی اکثریت کو معیار بناتا ہوں، نہ اقلیت کو، نہ اُن کی تائید کو، نہ تردید کو۔ میرے نزدیک اصل سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا میرا دل مطمئن ہے، کیا میرا ضمیر مطمئن ہے، کیا میں نے اپنی طرف سے نیت کی پاکیزگی کے ساتھ، دل کے اخلاص کے ساتھ اپنے پروردگار کے دین کو سمجھنے کی کوشش کی ہے اور اُسے بے کم و کاست بیان کرنے کی سعی کی ہے؟ میری تمام تگ و دو بس یہیں پر ختم ہو جاتی ہے، اِس سے آگے کے کسی معاملے سے مجھے کوئی دل چسپی محسوس نہیں ہوتی۔

دنیا میں جو اصحاب علم بھی ہیں، اُن کی حیثیت معلم کی ہے۔ اُن کا کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں اور اِس مقصد کے لیے اپنی بات دلیل سے پیش کریں۔ اِس کے بعد یہ لوگوں کا کام ہے کہ وہ چاہیں تو اُسے قبول کر لیں، چاہیں تو رد کر دیں۔ لوگوں کو بھی اِس معاملے میں اُن کی تقلید کے بجاے علم کی تحصیل کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ وہ تمام علما کی بات کو سنیں اور سمجھیں۔ اُن میں سے جس کی دلیل پر اطمینان ہو، اُسے قبول کر لیں اور جس کی دلیل پر اطمینان نہ ہو، اُسے چھوڑ دیں۔ کسی صاحب علم کی ایک بات درست لگتی ہے تو لازم نہیں کہ اُس کی دوسری بات بھی درست محسوس ہو۔ ممکن ہے کہ دوسری بات میں کسی دوسرے عالم کی راے پر اطمینان ہو جائے۔ کسی عالم کی ایک راے سے اتفاق اُس کی باقی آرا سے اتفاق کو لازم نہیں کرتا۔ امت کے علما کو استاذ اور معلم سمجھیں۔ اِس سے بڑھ کر اُنھیں کسی مرتبے پر فائز نہ کریں۔ وہ سب دین کے خدام ہیں اور اِس لحاظ سے بلا امتیاز واجب الاحترام ہیں۔ ہمیں اُن سے سیکھنا چاہیے اور محبت اور احترام کا تعلق قائم رکھنا چاہیے۔

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورة الروم

(۱)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ﴿١﴾ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ﴿٢﴾ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ
سَیَغۡلِبُوۡنَ ﴿٣﴾ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَمِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَیَوۡمَئِذٍ

۲

اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورۂ ’الٓمّٓ‘[97] ہے۔ رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں، لیکن اپنی اِس مغلوبیت کے بعد وہ جلد ہی غالب ہو جائیں گے،[98] اگلے چند برسوں میں۔ اِس سے پہلے جو کچھ ہوا ہے، وہ بھی

۹۷۔ یہ سورہ کا نام ہے۔ اِس کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر ہم بقرہ (۲) کی آیت ۱ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

۹۸۔ اصل میں ’اَدۡنَی الۡاَرۡضِ‘ کے الفاظ آئے ہیں۔ اِن سے مراد یہاں شام و فلسطین کی سرزمین ہے جو عرب کی سرزمین کے بالکل متصل تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو اُس وقت دنیا میں دو بڑی سلطنتیں تھیں: ایک مسیحی رومی سلطنت، دوسرے مجوسی ایرانی سلطنت۔ دونوں میں ہمیشہ رقیبانہ کشمکش جاری رہتی تھی۔ ۶۰۳ء کا

يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٤﴾ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٥﴾

اللہ کے حکم سے ہوا ہے اور جو کچھ بعد میں ہو گا، وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے ہو گا[99] اور ایمان والے اُس دن اللہ کی مدد سے مسرور ہوں گے۔[100] اللہ جس کی چاہتا ہے، مدد فرماتا ہے اور وہ زبردست

واقعہ ہے کہ ایک بغاوت کو فرو کرنے کا بہانہ بنا کر ایران نے رومی سلطنت پر حملہ کر دیا۔ اِس کے بعد رومیوں کو شکست پر شکست ہوتی رہی، یہاں تک کہ ۶۱۶ء تک یروشلم سمیت روم کی مشرقی سلطنت کا بڑا حصہ ایرانیوں کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا چھٹا یا ساتواں سال تھا۔ قرآن نے یہ پیشین گوئی ۶۱۷ء اور ۶۲۰ء کے درمیان کسی وقت کی ہے۔ ''زوال روما*'' کے مصنف ایڈورڈ گبن کا بیان ہے کہ یہ جس زمانے میں کی گئی، اُس وقت کوئی بھی پیشگی خبر اتنی بعید از وقوع نہیں ہو سکتی تھی، اِس لیے کہ رومی حکمران ہرقل کے پہلے بارہ سال رومی سلطنت کے خاتمے کا اعلان کر رہے تھے۔ قرآن نے صراحت کے ساتھ فرمایا کہ بہت دن نہیں لگیں گے، یہ زیادہ سے زیادہ اگلی دہائی (بِضۡعِ سِنِيۡنَ) کے اندر پوری ہو جائے گی۔ چنانچہ ٹھیک اِس اعلان کے مطابق یہ پوری ہو گئی اور مارچ ۶۲۸ء میں رومی حکمران اِس شان سے قسطنطنیہ واپس آیا کہ اُس کے رتھ کو چار ہاتھی کھینچ رہے تھے اور بے شمار لوگ دار السلطنت کے باہر چراغ اور زیتون کی شاخیں لیے اپنے ہیرو کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

اِس تعیین و تصریح کے ساتھ اور اِس حتمی اسلوب میں یہ پیشین گوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات کی دلیل کے طور پر کی گئی۔ روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحیوں کے ساتھ مذہبی قربت، قرآن کی دعوت اور مسلمانوں کے ساتھ، خاص طور پر حبشہ میں اُن کے طرز عمل کی وجہ سے مسلمان قدرتی طور پر اُن سے ہم دردی رکھتے تھے۔ قرآن نے اُنھیں اطمینان دلایا کہ وہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اُن کے اہل کتاب بھائی عنقریب غلبہ حاصل کر لیں گے اور یہ پیشین گوئی اُس نبوت کی بھی بہت بڑی دلیل بن جائے گی جس پر وہ ایمان لائے ہیں، اِس لیے کہ خدا کے سوا کوئی بھی ایسی صراحت اور حتمیت کے ساتھ مستقبل کے بارے میں اِس طرح کی خبر نہیں دے سکتا۔

۹۹۔ یعنی اُس قانون کے مطابق ہو گا جو خدا نے قوموں کے امتحان اور اُن کے عزل و نصب کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ چنانچہ وہ دیکھتا ہے کہ زمین میں اقتدار پا کر وہ کیا رویہ اختیار کرتی ہیں، پھر اُسی کے لحاظ سے اپنا فیصلہ صادر فرماتا ہے۔

۱۰۰۔ یعنی یہ وہ زمانہ ہو گا، جب مسلمانوں کے لیے بھی اللہ کی مدد آچکی ہو گی، جو اِس وقت ستائے جا رہے

* زوال روما، ایڈورڈ گبن ۷۸۸/۲۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخۡلِفُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶﴾
يَعۡلَمُوۡنَ ظَاهِرًا مِّنَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۖۚ وَهُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَةِ هُمۡ غٰفِلُوۡنَ ﴿۷﴾

بھی ہے اور بڑا مہربان بھی۔[101] اللہ کا حتمی وعدہ ہے[102] اور اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ وہ صرف دنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے تو وہ بالکل ہی بے خبر ہیں۔[103] ۱-۷

ہیں اور قریش کے ظلم و ستم سے نجات پا کر وہ بھی خوش و خرم ہوں گے۔ چنانچہ معلوم ہے کہ ۶۲۴ء میں جب قیصر روم کی فتوحات کی ابتدا ہوئی تو مسلمان نہ صرف یہ کہ یثرب میں متمکن ہو چکے تھے، بلکہ بدر کی جنگ میں قریش پر فتح پا کر اُن کی پوری قیادت کا خاتمہ بھی کر چکے تھے۔ اِس میں، ظاہر ہے کہ یہ خوشی بھی شامل ہو گی کہ جس کتاب پر وہ ایمان رکھتے ہیں، اُس کی ایک عظیم پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری ہو گئی اور وہ لوگ غالب ہو گئے جو مذہب میں اُن سے قریب تر ہیں۔ اِس سے، اگر غور کیجیے تو غلبۂ حق کی اُس بشارت کا زمانہ بھی اللہ تعالیٰ نے بالکل متعین کر دیا ہے جو قرآن میں جگہ جگہ دی گئی ہے۔

۱۰۱۔ یعنی بڑا مہربان ہے، اِس لیے اپنا کوئی مشن جب اپنے بندوں کے سپرد کرتا ہے تو لازماً اُن کی مدد بھی کرتا ہے اور اُس کے ساتھ زبردست بھی ہے، اِس لیے جب مدد کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کا یہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اُس میں کوئی مزاحم نہیں ہو سکتا۔

۱۰۲۔ آیت میں 'وَعۡدَ' کا نصب مصدر کا ہے، یعنی 'وَعَدَ اللّٰهُ ذٰلِكَ وَعۡدًا'۔ اِس سے مراد اُسی نصرت کا وعدہ ہے جس کا ذکر پیچھے 'بِنَصۡرِ اللّٰهِ' کے الفاظ میں ہوا، اور جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو بھی اپنے مخالفین پر اُسی طرح غلبہ حاصل ہو جائے گا، جس طرح رومیوں کے غلبے کی پیشین گوئی کی گئی ہے۔ آگے اِسی سورہ کی آیات ۴۷، ۶۰ میں اِس کی وضاحت ہو گئی ہے۔

۱۰۳۔ چنانچہ نہ حالات کے باطن میں اتر کر کائنات میں خدا کے ہاتھ کی کارفرمائی کو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ابتلا اور جزا و سزا اور عزل و نصب کے لیے اُس کے قوانین کو سمجھ سکتے ہیں، اِس لیے کہ آخرت سے بالکل ہی بے خبر ہیں۔

اَوَلَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَاِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ ﴿۸﴾

اَوَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ

کیااِنھوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا؟[۱۰۴] اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور اُن سب چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں، برحق[۱۰۵] اور ایک مقرر مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ لوگوں میں بہت سے ہیں جو اپنے پروردگار سے ملاقات کو مانتے ہی نہیں۔[۱۰۶] ۸

کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیتے کہ اُن لوگوں کا انجام کیا ہوا

۱۰۴۔ یعنی اپنے باطن میں اتر کر اور اصل حقیقت کو پانے کی خواہش کے ساتھ غور نہیں کیا۔ اِس لیے کہ انسان جب اِس طرح غور کرتا ہے تو اُس پر حقیقت لازماً کھل جاتی ہے۔

۱۰۵۔ یعنی غایت و حکمت کے ساتھ۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”...جب اِس کائنات کی ہر چیز اپنے اندر ایک غایت و حکمت رکھتی ہے اور اِس کے لیے ایک مدت بھی مقرر ہے تو یہ کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ انسان جو اِس کے اندر، واضح طور پر، ایک برتر مخلوق کی حیثیت رکھتا ہے، بالکل بے مقصد اور عبث پیدا کیا گیا ہو؟ اِس چیز کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ ایک روز جزا و سزا آئے جس میں وہ اپنے اعمال کی بابت مسؤل ہو، اپنی نیکیوں کا صلہ پائے، اگر اُس نے نیکیاں کی ہوں اور اپنی بدیوں کی سزا بھگتے، اگر اُس نے بدیاں کمائی ہوں۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کارخانۂ کائنات ایک کھلنڈرے کا کھیل اور انسان ایک شتر بے مہار اور بے غایت و مقصد وجود بن کے رہ جاتا ہے اور یہ بات اِس کائنات کی اُس مقصدیت اور حکمت کے بالکل منافی ہے جس کی شہادت اِس کے ہر گوشے سے مل رہی ہے۔“ (تدبرقرآن ۶/ ۷۷)

۱۰۶۔ یہ علم حقیقی سے محرومی کا اصل سبب بیان کر دیا ہے کہ جب انسان اِس دنیا سے آگے کچھ سوچنے کے لیے تیار ہی نہ ہو تو اُس پر یہ حکمت کبھی نہیں کھل سکتی کہ کائنات کیوں پیدا کی گئی ہے اور اُس کا انجام کیا ہونا ہے؟

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا
وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿٩﴾ ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾
اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿١١﴾ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ

جو اِن سے پہلے تھے؟[107] وہ اِن سے قوت میں کہیں بڑھ کر تھے۔ اُنھوں نے زمینیں خوب جو تیں (کہ اُنھیں زرخیز بنائیں) اور زمین کو جتنا اِن لوگوں نے آباد کیا ہے، اُس سے کہیں زیادہ اُنھوں نے اُسے آباد کیا تھا، اور اُن کے پیغمبر اُن کے پاس نہایت واضح نشانیاں لے کر آئے تھے، (لیکن نہیں مانے اور سزا پائی) تو اُن پر اللہ ظلم کرنے والا نہیں تھا، بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کر رہے تھے۔ پھر برا کرنے والوں کا انجام بھی بالآخر برا ہی ہوا، اِس لیے کہ اُنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلا دیا[108] اور اُن کا مذاق اڑاتے رہے۔ ۹-۱۰

اللہ ہی خلق کی ابتدا کرتا ہے۔ (اُس کے لیے کچھ مشکل نہیں)، پھر وہ اِسی طرح اُسے دوبارہ پیدا کر دے گا، پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے[109] اور جس دن یہ قیامت برپا ہو گی، اُس دن

۱۰۷۔ یہ عاد و ثمود، قوم لوط اور مدین والوں کی طرف اشارہ ہے جو رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد بھی انکار پر جمے رہے اور بالآخر تباہ کر دیے گئے۔ انفس و آفاق کے دلائل کی طرف توجہ دلانے کے بعد قرآن بالعموم اِسی طریقے سے دینونت کے اُن واقعات کی طرف متوجہ کرتا ہے جو سرزمین عرب کی قدیم اقوام کے ساتھ پیش آئے تھے۔

۱۰۸۔ اصل الفاظ ہیں: 'اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ'۔ اِن میں 'اَنْ' سے پہلے ایک حرف عربیت کے اسلوب پر محذوف ہے، یعنی 'لِاَنْ كَذَّبُوْا'۔

۱۰۹۔ یعنی اپنے ٹھیرائے ہوئے معبودوں کی طرف نہیں، بلکہ اُسی معبود حقیقی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو

يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا
بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ

مجرم مایوسی کے عالم میں حیرت زدہ ہو کر رہ جائیں گے۔ (تم دیکھو گے کہ) اُن کے ٹھیرائے ہوئے شریکوں میں سے کوئی اُن کی سفارش کرنے والا نہیں ہے اور وہ اپنے شریکوں کے منکر ہو چکے ہیں[110]۔ ۱۱-۱۳

اور جس دن یہ قیامت برپا ہو گی، اُس دن لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔[111] پھر جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ہوں گے، وہ ایک شان دار باغ[112] میں شاداں و فرحاں رکھے جائیں گے۔ اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلا دیا تو وہی عذاب میں

تمھارا خالق ہے۔

۱۱۰۔ آیت میں ماضی کے صیغے تقریب فہم کے لیے ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... گویا مخاطب جس چیز کو نہایت بعید سمجھتے ہیں، متکلم اُس کو ماضی کے اسلوب میں ایک واقع شدہ واقعے کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ احوال قیامت کے بیان میں قرآن نے یہ اسلوب اکثر جگہ استعمال کیا ہے۔“ (تدبر قرآن ۶/ ۷۹)

۱۱۱۔ آگے وضاحت کر دی ہے کہ کس لحاظ سے الگ الگ ہو جائیں گے۔ مدعا یہ ہے کہ آخرت کا دن ایک یوم الفرقان ہو گا جو دنیا کے تمام التباسات اور شبہات کو ختم کر کے بالکل واضح کر دے گا کہ خدا نے اِسے 'بِالْحَق' پیدا کیا تھا اور یہ ٹھیک اُس انجام کو پہنچ گئی ہے، جس تک اسے پہنچنا چاہیے تھا۔

۱۱۲۔ اصل میں لفظ 'رَوْضَة' آیا ہے۔ یہ اگرچہ نکرہ ہے، لیکن اِس کی تنکیر تفخیم شان کے لیے ہے، یعنی جنت کے باغوں میں سے ایک شان دار باغ میں۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿١٧﴾ وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِيًّا
وَّحِيْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿١٨﴾

پکڑے ہوئے ہوں گے۔ سو اللہ کی تسبیح کرو،[113] جس وقت تم شام کرتے ہو[114] اور جس وقت تم صبح کرتے ہو ـــــ زمین اور آسمانوں میں اُسی کی حمد ہو رہی ہے[115] ـــــ اور عشا کے وقت بھی[116]

۱۱۳۔ یعنی اُس کے بارے میں اُن حقائق کا اعتراف و اعلان کرو جو اوپر بیان کیے گئے ہیں اور اُن تمام عیوب و نقائص اور کم زوریوں سے اُسے پاک اور منزہ قرار دو جو مشرکین اپنے شرک اور انکار آخرت سے اُس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِس اعتراف و اعلان کی بہترین صورت نماز ہے۔ آگے اُسی کے اوقات بیان ہوئے ہیں۔

۱۱۴۔ یہ عصر اور مغرب کی نماز کا وقت ہے۔

۱۱۵۔ اوقات نماز کے بیچ میں یہ جملۂ معترضہ تذکیر و تنبیہ کے لیے آ گیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

"... مطلب یہ ہے کہ یہ خدا ہی کی تسبیح کی جو دعوت دی جا رہی ہے، یہ کوئی بے گانہ دعوت نہیں ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین کے ہر گوشے سے خدا ہی کی حمد کا ترانہ گونج رہا ہے۔ تو جو لوگ خدا کے سوا کسی اور کی بندگی کر رہے ہیں، اُن کا سُر اِس کائنات کے مجموعی سُر سے بالکل بے جوڑ ہے۔ البتہ، جو لوگ خدا کی حمد و تسبیح کر رہے ہیں، وہ اِس کائنات کے ساتھ ہم آہنگ ہیں۔ اِس میں دعوت کے ساتھ ایک قسم کی بے نیازی کا اظہار بھی ہے کہ اگر کچھ بد قسمت خدا کی حمد و تسبیح سے گریز کریں گے تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ اِس کائنات میں اُس کی حمد و تسبیح کرنے والوں کی کمی ہے۔ آسمانوں اور زمین کا ہر گوشہ اُس کی حمد کرنے والوں سے معمور ہے۔" (تدبر قرآن ۶/ ۸۰)

۱۱۶۔ آیت میں 'عَشِيّ' کا لفظ اُسی طرح ظہر کے مقابل میں ہے، جس طرح صبح کے مقابل میں شام ہے، اِس لیے اِسے عصر کے بجاے عشا ہی کے معنی میں لینا چاہیے۔ نماز کے لیے یہ اوقات کیوں مقرر کیے گئے ہیں، استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"... اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد و تسبیح کے لیے وہ اوقات خاص طور پر پسند فرمائے ہیں جن میں اُس کی کسی بڑی نشانی کا ظہور ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ رات دن میں داخل ہوتی ہے یا دن رات میں داخل ہوتا ہے۔ یا سورج سمت راس سے جھکتا ہے یا رات تاریک ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جو انسان غور کرنے والا ہے، یہ اوقات اُس کے ذہن و دماغ پر خاص طور پر اثر انداز ہوتے اور اُس کو جھنجھوڑتے ہیں کہ وہ اُس ذات کو اِس وقت یاد کرے جس کے حکم سے

اور جب تم ظہر کرتے ہو۔ ۱۴-۱۸

یہ عظیم تغیر اِس دنیا میں واقع ہوا ہے۔ اگر اِن واقعات میں بھی کوئی شخص اللہ کی نشانیوں اور اُس کی شانوں سے متاثر نہیں ہوتا تو وہ نہایت بلید جانور ہے۔“(تدبر قرآن ۶/ ۸۰)

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

جاوید احمد غامدی

ترجمہ و تحقیق: محمد رفیع مفتی / محسن ممتاز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب

—— ۱ ——

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عن وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ[1]: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ اللهَ اصْطَفَى كِنَانَةَ مِنْ بَنِي إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفَى مِنْ بَنِي كِنَانَةَ قُرَيْشًا، وَاصْطَفَى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ».

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسمٰعیل میں سے کنانہ[1] قبیلے کو خاص کیا، کنانہ میں سے قریش، قریش میں سے بنو ہاشم[2] کو اور بنو ہاشم میں سے میرا انتخاب کیا ہے۔[3]

۱۔ یعنی کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔

۲۔ یعنی ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب۔ زمانۂ جاہلیت کے سادات میں سے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنھی کی اولاد تھے۔

۳۔ یہ اُسی انتخاب کی فرع ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران (۳) کی آیت ۳۳ میں اولاد ابراہیم کے اصطفا سے تعبیر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے: 'اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى

الْعٰلَمِیْنَ'، ''اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ نے آدم اور نوح کو، اور ابراہیم اور عمران کے خاندان کو تمام دنیاوالوں پر ترجیح دے کر (اُن کی رہنمائی کے لیے) منتخب فرمایا۔''

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن مسند احمد، رقم ۱۶۹۸۶ سے لیا گیا ہے۔ اِس کے تنہا راوی واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ ہیں۔

اِس کے متابعات اِن مراجع میں دیکھے جا سکتے ہیں:

التاریخ الاوسط، بخاری، رقم ۱۸۔ صحیح مسلم، رقم ۲۲۷۶۔ سنن ترمذی، رقم ۳۶۰۶۔ السنۃ، ابن ابی عاصم، رقم ۱۴۹۵۔ الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۸۹۳۔ مسند ابی یعلیٰ، رقم ۷۴۸۵۔ صحیح ابن حبان، رقم ۶۳۳۳۔ المعجم الکبیر، طبرانی ۶۶/۲۲۔ معرفۃ علوم الحدیث، حاکم ۱۶۱۔ دلائل النبوۃ، بیہقی ۱۶۵/۱۔

۲

أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، وَالْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، قَالَا:[۱] أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ، قَالُوا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّا نَسْمَعُ مِنْ قَوْمِكَ حَتَّى يَقُولَ الْقَائِلُ مِنْهُمْ: إِنَّمَا مَثَلُ مُحَمَّدٍ نَخْلَةٌ نَبَتَتْ فِي كِبَاءٍ، قَالَا: فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَيها النَّاسُ، مَنْ أَنَا؟» قَالُوا: أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْكَ السَّلَامُ، قَالَ: «أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ»، قَالَ: فَمَا سَمِعْنَاهُ انتَمَى قبلَهَا قَطُّ، ثُمَّ قَالَ: «أَلَا إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهُ، ثُمَّ فرَّقهُمْ فَرِيقَيْنِ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ، ثُمَّ جَعَلَهُمْ قَبَائِلَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِهِمْ قَبِيلَةً، فَأَنَا خَيْرُكُمْ بيتًا وَخَيْرُكُمْ نفْسًا».

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عبد المطلب بن ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما، دونوں سے روایت ہے کہ انصار کے کچھ لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہم نے آپ کی قوم کے لوگوں سے کچھ ناگوار باتیں سنی ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے کہا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال تو کسی میدان میں اُگے ہوئے خودرو درخت کی سی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو لوگوں سے پوچھا: لوگو، میں کون ہوں؟ لوگوں نے کہا: آپ پر سلامتی ہو، آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ اِس سے پہلے ہم نے آپ کو اپنی نسبت بیان کرتے ہوئے کہیں نہیں سنا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: آگاہ رہو! اللہ نے اپنی مخلوق کو تخلیق کیا تو اُس کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا اور مجھے بہترین جماعت میں شامل کیا۔ پھر اُن کے قبیلے بنائے تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا۔ چنانچہ میں گھرانے کے اعتبار سے بھی بہترین ہوں اور اپنی شخصیت کے اعتبار سے بھی۔[1]

۱۔ مطلب یہ ہے کہ میری پشت پر تو اللہ تعالیٰ کے اصطفا کی ایک پوری اسکیم موجود ہے، میں خودرو کس طرح ہو سکتا ہوں؟

متن کے حواشی

۱۔ اِس روایت کا متن الآحاد والمثانی، ابن ابی عاصم، رقم ۴۴۰ سے لیا گیا ہے اور یہی اِس کا تنہا ماخذ ہے۔ اِس کے راوی صرف عبد المطلب بن ربیعہ اور عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہما ہیں۔

المصادر والمراجع

ابن أبي حاتم أبو محمد عبد الرحمٰن بن محمد بن إدريس بن المنذر الرازي. (١٤٢٧هـ/٢٠٠٦ م).
العلل. ط ١. تحقيق: فريق من الباحثين بإشراف وعناية د/ سعد بن عبد الله الحميد و د/ خالد بن عبد الرحمٰن الجريسي. الرياض. مطابع الحميضي.

ابن أبي حاتم أبو محمد عبد الرحمٰن بن محمد بن إدريس بن المنذر الرازي. (١٢٧١هـ/١٩٥٢م). **الجرح والتعديل**. ط ١. حيدر آباد الدكن. الهند: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانية. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٤٠٩هـ). **الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار**. ط ١. تحقيق: كمال يوسف الحوت. الرياض: مكتبة الرشد.

ابن أبي شيبة أبو بكر عبد الله بن محمد العبسي. (١٩٩٧م). **مسند ابن أبي شيبة**. عادل بن يوسف العزازي و أحمد بن فريد المزيدي. الرياض: دار الوطن.

ابن أبي عاصم أبو بكر أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤٠٠هـ). **السنة**. ط١. تحقيق: محمد ناصر الدين الألباني. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن أبي عاصم أبو بكر أحمد بن عمرو الشيباني. (١٤١١هـ/١٩٩١م). **الآحاد والمثاني**. ط١. تحقيق: د.باسم فيصل أحمد الجوابرة. الرياض: دار الراية.

ابن حبان أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البُستي. (١٤١٤هـ/١٩٩٣م). **صحيح ابن حبان بترتيب ابن بلبان**.ط ٢. تحقيق: شعيب الأرنؤوط.

ابن حجر أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني. (١٤١٧هـ/١٩٩٧م). **تحرير تقريب التهذيب**. ط ١. تاليف: الدكتور بشار عواد معروف، الشيخ شعيب الأرنؤوط. بيروت: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع.

ابن حجر أبو الفضل أحمد بن علي بن العسقلاني. (١٤٠٣هـ/١٩٨٣م). **طبقات المدلسين (تعريف اهل التقديس بمراتب الموصوفين بالتدليس)**. ط ١. تحقيق: د. عاصم بن عبدالله القريوتي. عمان. مكتبة المنار.

ابن حجر أبو الفضل أحمد بن علي العسقلاني. (١٤٠٤هـ/١٩٨٤م). **النكت على كتاب ابن الصلاح**. ط ١. تحقيق: ربيع بن هادي عمير المدخلي. المدينة المنورة: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية.

ابن سعد أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء. (١٤٠٨هـ). **الطبقات الكبرى**. ط ٢. تحقيق: زياد محمد منصور. المدينة المنورة: مكتبة العلوم والحكم.

ابن عساكر أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله. (١٤١٩هـ/١٩٩٨م). **تاريخ دمشق**. ط١.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بيروت: دارالفكر.

ابن كثير إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي أبو الفداء. **البداية والنهاية**. بيروت: مكتبة المعارف.

ابن الكيال ابو البركات محمد بن احمد. (١٤٢٠ﻫ/١٩٩٩م). **الكواكب النيرات**. ط ٢. تحقيق: عبدالقيوم عبد رب النبي. مكة مكرمة. المكتبة الامدادية.

إبن ماجه. أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني.(د.ت). **سنن ابن ماجة** . ط١. تحقيق:محمد فؤاد عبد الباقى. بيروت: دار الفكر.

ابن مبارك عبد الله بن المبارك بن واضح. (١٤٠٧ﻫ). **مسند الإمام عبد الله بن المبارك**. ط ١. صبحي البدري السامرائي. الرياض: مكتبة المعارف.

ابن عبد الهادي الصالحي يوسف بن حسن جمال الدين، ابن ابن المِبْرَد الحنبلي. (١٤١٣ﻫ/ ١٩٩٢م). **بحر الدم فيمن تكلم فيه الإمام أحمد بمدح أو ذم**. ط ١. تحقيق وتعليق: الدكتورة روحية عبد الرحمٰن السويفي. بيروت: دار الكتب العلمية.

ابن المديني أبو الحسن علي بن عبد الله بن جعفر البصري، أبو الحسن. (١٩٨٠م). **العلل**. ط ٢. تحقيق: محمد مصطفى الأعظمي. بيروت: المكتب الإسلامي.

ابن معين أبو زكريا يحيى بن معين بن عون البغدادي. (١٣٩٩ﻫ/١٩٧٩م). **تاريخ ابن معين**. ط ١. تحقيق: د. أحمد محمد نور سيف. مكة المكرمة: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي.

أبو اسحاق الحوينى حجازي بن محمد بن يوسف المصري. (١٤٣٣ﻫ/٢٠١٢م). **نثل النبال بمعجم الرجال**. ط ١. جمعه ورتبه: أبو عمرو أحمد بن عطية الوكيل. مصر: دار ابن عباس.

أبو عمرو خليفة بن خياط بن خليفة البصري. (١٤١٤ﻫ). **طبقات خليفة بن خياط**. تحقيق: د. سهيل زكار. بيروت: دار الفكر.

أبو يعلى أحمد بن علي التميمي الموصلي. (١٤٠٤ﻫ/١٩٨٤م). **مسند أبي يعلى**. ط ١. تحقيق: حسين سليم أسد. دمشق: دار المأمون للتراث.

أبي العباس جمح بن القاسم. (٢٠٠٤م). **حديث أبي العباس جمح بن القاسم**. ط ١. قسم المخطوطات بشركة أفق للبرمجيات. مصر: شركة أفق للبرمجيات.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢٢ﻫ/٢٠٠١م). **العلل و معرفة الرجال**. ط ٢. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. الرياض: دار الخاني فرقد فريد الخاني.

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٠٨هـ/١٩٨٨م). **العلل و معرفة الرجال.** ط ١. تحقيق و تخريج: د وصي الله بن محمد عباس. بيروت: المكتب الإسلامي. الرياض: دار الخاني.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤١٦هـ/١٩٩٥م). **مسند الإمام أحمد بن حنبل.** ط ١. تحقيق: أحمد محمد شاكر. القاهرة: دار الحديث.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤١٦هـ/١٩٩٥م). **مسند الإمام أحمد بن حنبل.** ط ١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون. إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي. دار النشر: مؤسسة الرسالة.

أحمد بن محمد بن حنبل أبو عبد الله الشيباني. (١٤٢١هـ/٢٠٠١م). **مسند الإمام أحمد بن حنبل.** ط ١. تحقيق: شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد، وآخرون. إشراف: د عبد الله بن عبد المحسن التركي. بيروت: مؤسسة الرسالة.

الألباني محمد ناصر الدين. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **إرواء الغليل في تخريج أحاديث منار السبيل.** ط ٢. بيروت: المكتب الإسلامي.

البخاري أبو عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم البخاري الجعفي. (٢٠٠٩م). **التاريخ الكبير.** تحقيق: السيد هاشم الندوي. بيروت. دار الفكر.

البخاري أبو عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم البخاري الجعفي. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **التاريخ الأوسط.** ط ١. القاهرة: دار الوعي مكتبة دار التراث.

البخاري أبو عبد الله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة،. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **التاريخ الأوسط.** ط ١. محمود إبراهيم زايد. القاهرة: دار الوعي، مكتبة دار التراث.

البوصيري أبو العباس شهاب الدين أحمد بن أبي بكر الكناني الشافعي. (١٤٢٠هـ/١٩٩٩م). **إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة.** ط ١. الدكتور أحمد معبد عبد الكريم و أبو تميم ياسر بن إبراهيم. الرياض: دار الوطن للنشر.

البوصيري أبو العباس شهاب الدين أحمد بن أبي بكر الكناني الشافعي. (١٤٠٣هـ). **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه.** ط ٢. محمد المنتقى الكشناوي. بيروت: دار العربية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين الخراساني. (١٤٠٥هـ). **دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة.** ط١. بيروت: دار الكتب العلمية.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين بن الخراساني. (١٤٢٤هـ/٢٠٠٣م). **السنن الكبرى**. ط ٣. تحقيق: عبد المعطي أمين قلعجي. بيروت: دار الكتب العلمية.

البيهقي أبو بكر أحمد بن الحسين بن الخراساني. (١٣٤٤هـ). **السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي**. ط ١. هند: مجلس دائرة المعارف النظامية.

الترمذي أبو عيسى محمد بن عيسى بن سَوْرة. (١٣٩٥هـ/١٩٧٥م). **سنن الترمذي**. ط ٢. تحقيق و تعليق: أحمد محمد شاكر (ج١، ٢) ومحمد فؤاد عبد الباقي (ج٣) وإبراهيم عطوة عوض المدرس في الأزهر الشريف (ج٤، ٥). مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي.

الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله المعروف بابن البيع. (١٣٩٧هـ/١٩٧٧م). **معرفة علوم الحديث**. ط ٢. السيد معظم حسين. بيروت: دار الكتب العلمية.

الخطيب التبريزي محمد بن عبد الله. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **مشكاة المصابيح**. ط ٣. محمد ناصر الدين الألباني. بيروت: المكتب الإسلامي.

دارقطني أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد البغدادي الدارقطني. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **العلل الواردة في الأحاديث النبوية**. ط ١. تحقيق وتخريج: محفوظ الرحمٰن زين الله السلفي. الرياض: دار طيبة.

الذهبي شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م).**سير أعلام النبلاء**. ط٣. تحقيق: مجموعة من المحققين بإشراف الشيخ شعيب الأرنؤوط. د.م: مؤسسة الرسالة.

سبط ابن العجمى برهان الدين الحلبي أبو الوفا إبراهيم بن محمد الطرابلسي الشافعي. (١٩٨٨م). **الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط**. ط ١. تحقيق: علاء الدين علي رضا. القاهرة: دار الحديث.

سبط ابن العجمى برهان الدين الحلبي أبو الوفا إبراهيم بن محمد الطرابلسي الشافعي (١٩٨٦م). **التبيين لأسماء المدلسين**. ط ١. تحقيق: يحي شفيق حسن. بيروت: دار الكتب العلمية.

سبط ابن العجمى برهان الدين الحلبي أبو الوفا إبراهيم بن محمد الطرابلسي الشافعي. (١٤٠٧هـ/١٩٨٧م). **الكشف الحثيث عمن رمي بوضع الحديث**. ط ١. المحقق: صبحي السامرائي. بيروت: عالم الكتب، مكتبة النهضة العربية.

ضياء المقدسي أبو عبد الله محمد بن عبد الواحد الحنبلي المقدسي. (١٤١٠هـ). **الأحاديث المختارة**. ط ١. عبد الملك بن عبد الله بن دهيش. مكة المكرمة: مكتبة النهضة الحديثة.

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب الشامي. (١٤١٥هـ/١٩٩٤م). **المعجم الكبير**. ط ١. تحقيق: حمدي بن عبد المجيد السلفي. القاهرة: مكتبة ابن تيمية.

الطبراني أبو القاسم سليمان بن أحمد بن أيوب الشامي. (د.ت).**المعجم الأوسط**. د.ط. تحقيق: طارق بن عوض الله بن محمد، عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني. القاهرة: دار الحرمين.

الطيالسي أبو داؤد سليمان بن داؤد بن الجارود البصرى. (١٤١٩هـ/١٩٩٩م). **مسند أبي داؤد الطيالسي**. ط ١. تحقيق: الدكتور محمد بن عبد المحسن التركي. مصر: دار هجر.

عبد الرزاق بن همام الحميري أبو بكر الصنعاني. (١٤٠٣هـ). **المصنف**. ط ٢. تحقيق: حبيب الرحمٰن الأعظمي. الهند: المجلس العلمي.

العجلي أحمد بن عبد الله بن صالح أبو الحسن العجلي الكوفي. (١٤٠٥هـ/١٩٨٥م). **معرفة الثقات**. ط ١. تحقيق: عبد العليم عبد العظيم البستوي. المدينة المنورة: مكتبة الدار.

مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري. (١٩٩٦م). **المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم**. ط ١. تحقيق: محمد فؤاد عبد الباقي. بيروت: دار إحياء التراث العربي.

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد عمار خان ناصر

"میزان"—— توضیحی مطالعہ

حدود و تعزیرات

(۱)

حدود کی نوعیت

"انسانی تاریخ میں اِس فساد کا سب سے پہلا ظہور ابو البشر آدم کے بیٹے قابیل کے ہاتھ سے ہوا، لہٰذا یہ ضرورت اِس کے ساتھ ہی سامنے آگئی کہ انسان کو خود انسان کے شر و فساد سے بچانے کے لیے کوئی تدبیر ہونی چاہیے۔ جرم و سزا کے تمام ضابطے اِسی ضرورت سے وضع کیے گئے ہیں۔ اِن میں اصلی مقصود شر و فساد کا استیصال ہی ہوتا ہے اور وہی ہونا چاہیے، لیکن جو لوگ خدا کی ہدایت قبول کر کے اُس کے رسولوں پر ایمان لے آئیں، اُن کا معاملہ عام مجرموں کا نہیں ہے۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگر جان، مال، آبرو یا نظم اجتماعی کے خلاف کسی بڑے جرم کا ارتکاب کریں تو خدا کا فیصلہ ہے کہ اُن کو اِسی دنیا میں عذاب دیا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور وہ خدا کی اِس عقوبت کو دیکھ کر آخرت کے عذاب کی یاددہانی حاصل کریں۔"

(میزان ۶۱۱)

مصنف نے یہاں حدود کی جو نوعیت واضح کی ہے، اس میں بہت اہم نکتے مضمر ہیں جن میں سے بعض کی تفصیل و توضیح مصنف نے دوسرے مقامات پر کی ہے۔

پہلا نکتہ حدود کی مشروعیت کے بنیادی پہلو سے متعلق ہے۔ فقہا عموماً حدود کو زواجر قرار دیتے ہیں، جس کا

مطلب یہ ہے کہ یہ سزائیں شریعت میں بنیادی طور پر جرائم کی روک تھام کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ فقہا کے مابین اس حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان سزاؤں کا نفاذ مجرم کو اخروی سزا سے بچا لیتا ہے یا وہ اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔ جمہور محدثین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی روشنی میں حدود کو کفارہ قرار دیتے ہیں جس کے بعد آخرت میں دوبارہ مجرم کا مواخذہ نہیں ہوگا (بخاری، رقم ۱۸)، جب کہ حنفی فقہا کے نزدیک دنیوی سزا، اخروی سزا کا بدل نہیں بنتی۔ اس اختلاف سے قطع نظر، دنیوی لحاظ سے حدود کے زواجر ہونے پر فقہا کا اتفاق ہے۔ علامہ ابن الہمام نے اس نکتے کو یوں بیان کیا ہے کہ شریعت میں جو بھی سزا مشروع کی گئی ہے، وہ در حقیقت اس دنیا میں مقصود چند مصالح کے لیے کی گئی ہے، مثلاً قصاص کو جانوں کی، حد قذف کو آبرو کی، حد شرب کو عقل کی، حد زنا کو نسب کی اور حد سرقہ کو مال کی حفاظت کے لیے مشروع کیا گیا ہے (فتح القدیر ۷۲/۶)۔

مصنف کا نقطۂ نظر اس ضمن میں یہ ہے کہ جرائم کی روک تھام حدود کا ثانوی اور ضمنی مقصد ہے، جب کہ ان کا اصل مقصد خدا پر ایمان لانے کے بعد اس کے مقرر کردہ حدود کو پامال کرنے والوں کو خدا کی طرف سے عذاب کا مزہ چکھانا اور انھیں آخرت کے عذاب کی یاد دہانی کرانا ہے۔

سورۂ مائدہ (۵) کی آیت ۳۸ میں 'جَزَآءً ۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ' کی تفسیر کرتے ہوئے مصنف نے ''البیان'' میں لکھا ہے:

> ''... یعنی یہ پاداش عمل بھی ہے اور دوسروں کے لیے سامان عبرت بھی کہ وہ اِس سزا کو دیکھ کر جان لیں کہ جس خدا کی عقوبت دنیا میں یہ ہے، وہ آخرت میں اپنے نافرمانوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہے۔ چنانچہ دنیا کی حرص میں اپنی آخرت برباد نہ کریں۔ سزا کا اصلی مقصد یہی ہے، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اِس طرح کی سزائیں کسی معاشرے میں نافذ ہوں تو اِس سے جرائم کی روک تھام میں مدد ملتی ہے۔ یہ ایک ضمنی فائدہ ہے، اِس کو بھی پیش نظر رہنا چاہیے۔'' (۶۳۱/۱)

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ چونکہ ان سزاؤں کا بنیادی مقصد محض جرم کا استیصال نہیں ہے، بلکہ یہ خدا کی طرف سے عذاب کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے ان کی جگہ سزا کی متبادل صورتیں اختیار کر لینے کی گنجایش شریعت میں نہیں رکھی گئی۔ سورۂ نور (۲۴) کی ابتدا میں 'اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا' کی تفسیر میں مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے ''البیان'' میں لکھا ہے:

> ''یہ اس لیے فرمایا ہے کہ اِسی نوعیت کے احکام تھے جو پچھلی امتوں کے لیے مزلۂ قدم ثابت ہوئے اور اُنھوں نے اُن سے گریز و فرار کے راستے تلاش کرنا چاہے۔ چنانچہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ سفارشات نہیں ہیں، بلکہ خدا

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

کے عائد کردہ فرائض اور اُس کے قطعی احکام ہیں جن کی ہر جگہ اور ہر زمانے میں بے چون وچرا تعمیل ہونی چاہیے۔اِن میں کسی کے لیے بے پروائی یا سہل انگاری کی گنجایش نہیں ہے۔" (۴۱۵/۳)

یہ فقہا کا متفقہ موقف ہے اور فقہی روایت میں اس کو بالعموم یوں بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سزائیں حق اللہ ہیں جنھیں معاف کرنے یا تبدیل کرنے کا حق مسلمانوں کو نہیں ہے اور وہ اللہ کے ایک حق کے طور پر انھیں مجرموں پر نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ البتہ مصنف نے حدود کے ناقابل تبدیل ہونے کی توضیح میں ان کے عذاب الٰہی ہونے کے پہلو کو نمایاں کیا ہے جو حق اللہ کی روایتی فقہی تعبیر میں اس طرح نمایاں نہیں ہے۔

تیسرا نکتہ ان سزاؤں کے نفاذ واجرا سے متعلق ہے۔ مصنف کی راے میں ان سزاؤں کا بنیادی مقصد چونکہ استیصال جرم نہیں، بلکہ یہ اللہ اور رسول پر ایمان لے آنے کے بعد اس کے حدود کو پامال کرنے پر خدا کی طرف سے عقوبت اور عذاب کی حیثیت رکھتی ہیں، اس لیے ان کا نفاذ بھی ہر طرح کے مجرموں پر مطلوب نہیں۔ دوسرے مقام پر مصنف نے اس کی تفصیل یوں کی ہے کہ ان سزاؤں کا نفاذ انھی مجرموں پر کیا جائے گا جن میں تین شرائط پائی جاتی ہوں:

پہلی یہ کہ وہ مسلمان ہوں، غیر مسلم نہ ہوں۔

دوسری یہ کہ انھوں نے پورے شعور سے ایمان کو اختیار کیا اور خدا کے حکموں کی پابندی قبول کی ہو۔

تیسری یہ کہ انھیں مناسب اور سازگار ماحول میں دینی واخلاقی تربیت پانے کا موقع ملا ہو (مقامات ۲۳۴)۔

ان میں سے پہلی شرط ان اہل علم کے موقف کے مطابق ہے جو غیر مسلموں پر حدود کے نفاذ کو لازم نہیں سمجھتے۔ یہ راے صحابہ وتابعین میں سے سیدنا علی، عبد اللہ بن عباس، عمر بن عبد العزیز، ابراہیم نخعی، شعبی، ربیعۃ الرائے، عطاء اور حسن بصری سے منقول ہے اور امام ترمذی نے اس کو اکثر اہل علم کی راے کے طور پر بیان کیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے ہماری کتاب: حدود وتعزیرات: چند اہم مباحث ۲۹۵-۲۹۶)۔

تیسری شرط کے لیے مصنف نے غلاموں اور باندیوں کے لیے زنا کی سزا نصف مقرر کیے جانے سے استدلال کیا ہے۔ مصنف کے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ غلام اور لونڈیاں چونکہ خاندان کی حفاظت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے مناسب اخلاقی تربیت سے محروم تھیں اور انھیں اپنی عصمت کی حفاظت کے لیے نکاح کا حق بھی آزاد لوگوں کی طرح حاصل نہیں تھا، اس لیے زنا میں ملوث ہونے کی صورت میں ان کے اس معاشرتی پس منظر کا لحاظ کرتے ہوئے ان کے لیے کم تر سزا تجویز کی گئی۔ اس کے علاوہ صحابہ وتابعین کے آثار میں بھی اس کے مختلف

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

شواہد موجود ہیں جن کی تفصیل ہماری کتاب ''حدود و تعزیرات: چند اہم مباحث'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جہاں تک دوسری شرط کا تعلق ہے تو اس کی بنائے استدلال مصنف نے یوں واضح کی ہے:

''...زنا اور چوری کی جو سزائیں قرآن میں بیان ہوئی ہیں، وہ اِن جرائم کی انتہائی سزائیں ہیں اور صرف اُنھی مجرموں کو دی جائیں گی جن سے جرم بالکل آخری درجے میں سرزد ہو جائے اور اپنے حالات کے لحاظ سے وہ کسی رعایت کے مستحق نہ ہوں۔ اِن میں اہم ترین چیز اُن کا دینی شعور ہے۔ یہ سزائیں اُن لوگوں کے لیے نہیں ہیں جو غیر مسلم ہیں یا پیدایشی لحاظ سے مسلمان تو ہیں، مگر دینی شعور کے لحاظ سے غیر مسلموں ہی کے حکم میں ہیں۔ اِس لیے کہ اِن سزاؤں سے مقصود محض جرم کا استیصال نہیں ہے، بلکہ اُن مجرموں کو خدا کے عذاب کا مزہ چکھانا اور دوسروں کے لیے عبرت بنا دینا بھی ہے جنھوں نے پورے شعور کے ساتھ اپنے آپ کو خدا اور اُس کے رسول کے حوالے کیا، اُن سے عہد اطاعت باندھا، اُن کے دین کو دین کی حیثیت سے قبول کیا اور اِس کے بعد چوری اور زنا جیسے جرائم میں اِس حد تک ملوث ہو گئے کہ خدا نے اُن کا پردہ فاش کر دیا اور معاملات عدالت تک پہنچ گئے۔'' (مقامات ۲۳۳)

گویا مصنف کے نزدیک اس شرط کا ماخذ بھی وہی ہے جو دوسری شرط کا ہے، یعنی جیسے ضروری دینی و اخلاقی تربیت سے محروم مجرموں کو حدود کے نفاذ میں رعایت دی جاتی ہے، اسی طرح دینی و ایمانی شعور سے نابلد ایسے مسلمان بھی ان سزاؤں کے نفاذ کا محل نہیں ہیں جو مسلمان گھرانوں میں پیدا تو ہوئے ہیں اور اسلام کے ساتھ ایک پیدایشی نسبت بھی رکھتے ہیں، لیکن انھوں نے اپنے ارادی فیصلے سے پورے شعور کے ساتھ ایمان اور اس کے مطالبات کو قبول نہیں کیا۔ غالباً مصنف کے پیش نظر، آج کی مسلمان نسلوں کے وہ افراد ہیں جو ذہنی طور پر تشکیک یا الحاد کا شکار ہیں اور خاص طور پر شرعی حدود سے متعلق دور جدید کے انسانی حقوق کے فلسفے سے متاثر ہیں جو ان سزاؤں کو وحشیانہ اور غیر انسانی تصور کرتا ہے۔ مصنف کا زاویۂ نظر یہ ہے کہ ظاہری طور پر مسلمانوں میں شمار کیے جانے کے باوجود، شرعی احکام اور پابندیوں کی تنفیذ کے پہلو سے ایسے مسلمانوں کو غیر مسلموں ہی کے حکم میں سمجھنا چاہیے۔

موت کی سزا

''موت کی سزا قرآن کی رو سے قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی جرم میں نہیں دی جاسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے پوری صراحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو شریعت دی گئی تو اُسی وقت لکھ دیا گیا تھا کہ اِن دو جرائم کو

چھوڑ کر، فرد ہو یا حکومت، یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی شخص کی جان کے درپے ہو اور اُسے قتل کر ڈالے۔"(میزان ۶۱۲)

مصنف کا نقطۂ نظر یہاں بعض اہم حوالوں سے اہل علم کی عمومی رائے سے مختلف ہے۔

قتل کی سزا کی تحدید کے ضمن میں فقہا کے ہاں سورۂ مائدہ کی محولہ آیت زیر بحث نہیں لائی جاتی، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ایک حدیث کے ضمن میں یہ بحث کی جاتی ہے کہ کیا موت کی سزا کچھ خاص جرائم تک محدود ہے یا نہیں؟ عبد اللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مسلمان کی جان لینا اس کے علاوہ حلال نہیں کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو یا شادی شدہ ہونے کی حالت میں زنا کیا ہو یا دین سے نکل کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے (بخاری، رقم ۶۸۷۸)۔ تاہم ان کے علاوہ متعدد دیگر جرائم کے لیے بھی موت کی سزا بیان کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جن میں سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح کرنا (ترمذی، رقم ۱۳۶۲)، کسی محرم خاتون کے ساتھ بدکاری (ترمذی، رقم ۱۴۶۲)، زنا بالجبر (ابوداؤد، رقم ۴۳۷۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۴)، لواطت (المستدرک، رقم ۸۰۴۹۔ ترمذی، رقم ۱۴۵۵)، شراب نوشی کا عادی مجرم ہونا (ابوداؤد، رقم ۴۴۸۲-۴۴۸۴) اور شراب نوشی ترک کرنے سے انکار کرنا (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۲۳۷۴۲) شامل ہیں۔ ان تمام مثالوں میں موت کی سزا مسلمانوں کے لیے بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح جب بعض کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی اور زبان درازی کی پاداش میں قتل کر دیا گیا تو آپ نے ان کے خون کو رایگاں قرار دے دیا (ابوداؤد، رقم ۴۳۷۹۵۔ نسائی، رقم ۴۰۰۲۔ ابن ابی عاصم، الدیات ۱/۷۳)۔ ان تمام نظائر کی روشنی میں جمہور فقہا مذکورہ حدیث میں مذکور تین جرائم کے علاوہ بھی کسی جرم میں تعزیری طور پر موت کی سزا دینے کو درست سمجھتے ہیں۔

مصنف نے اس سوال کو مذکورہ حدیث کے بجائے سورۂ مائدہ کی محولہ آیت کے تناظر میں موضوع بنایا ہے جہاں بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قتل اور فساد فی الارض کے علاوہ کسی ایک انسان کی جان لینا گویا ساری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے۔ اس نقطۂ نظر کی رو سے نہ صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں، بلکہ شریعت موسوی میں بھی قتل کی سزا اسی صورت میں دی جا سکتی تھی جب مجرم یا تو قتل ناحق کا مرتکب ہوا ہو یا اس کا جرم فساد فی الارض کے تحت آتا ہو۔ یوں مصنف کے سامنے نہ صرف ان احادیث میں مذکور ان واقعات کی توجیہ کا سوال ہے جن میں مختلف مجرموں کے لیے سزاے موت تجویز کی گئی ہے، بلکہ وہ

حدیث بھی توجیہ طلب بن جاتی ہے جس میں قتل کے علاوہ شادی شدہ زانی اور مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جانے کو بھی مستوجب قتل قرار دیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ تورات میں مذکور ان تمام مثالوں کی توجیہ بھی ضروری ہو جاتی ہے جن میں ناحق قتل (گنتی ۳۵:۱۶-۲۱) کے علاوہ متعدد جرائم پر موت کی سزا مقرر کی گئی ہے، مثلاً کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچنا (استثنا ۲۴:۷)، شادی شدہ عورت یا کسی کی منگیتر کے ساتھ بدکاری (استثنا ۲۲:۲۲-۲۴)، قاضی کے سامنے گستاخی کرنا یا اس کا فیصلہ نہ ماننا (استثنا ۱۷:۱۲-۱۳)، باپ کے سامنے سرکشی اور اس کی نافرمانی (استثنا ۲۱:۱۸-۲۱)، باپ یا ماں پر لعنت کرنا (احبار ۲۰:۹)، کہانت کی خدمت میں بنی لاوی کے ساتھ شریک ہونے کی کوشش کرنا (گنتی ۱۸:۷)، لواطت (احبار ۲۰:۱۳)، جانور کے ساتھ جماع (احبار ۲۰:۱۵-۱۶)، اپنی بہن یا بھائی کے بدن کو بے پردہ دیکھنا (احبار ۲۰:۱۷)، خدا کے علاوہ کسی اور معبود یا سورج یا چاند یا اجرام فلکی کی عبادت (استثنا ۱۳:۱-۱۸، ۱۷:۲-۷)، اولاد کو مولک کی نذر کرنا (احبار ۲۰:۲)، خدا کے نام کی بے حرمتی کرنا (احبار ۲۴:۱۳-۱۶)، نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا (استثنا ۱۸:۲۰-۲۲)، سبت کے دن کی پابندی کو توڑنا (گنتی ۱۵:۳۲-۳۶) اور سفلی عمل یا جادو کرنا (احبار ۲۰:۲۷) وغیرہ۔

مصنف نے مختلف مقامات پر ان میں سے بعض مثالوں کی جو توجیہ و تعبیر کی ہے، اس سے ان کا زاویۂ نظر سمجھا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر تورات میں شادی شدہ خاتون کے ساتھ زنا کو مستوجب قتل قرار دینے کی توجیہ مصنف نے یوں کی ہے کہ ''بنی اسرائیل کی مخصوص حیثیت اور اُن پر خدا کی براہ راست حکومت کی وجہ سے زنا بہ زن غیر (adultery) کو اُن کی شریعت میں حرابہ قرار دے دیا گیا تھا۔ عورت کنواری ہو تو البتہ، رعایت کی ہدایت کی گئی تھی اور مرد پر مالی تاوان عائد کر کے اُسے پابند کر دیا گیا تھا کہ باقی عمر کے لیے وہ اُسے بیوی بنا کر رکھے گا'' (البیان، تمہید سورۂ نور)۔ اس توجیہ سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مصنف کے نزدیک، خدا کی شریعت کا حامل ہونے اور خدا کے ساتھ اس کی پابندی اور اقوام عالم کے سامنے اس کی شہادت کا عہد و میثاق باندھنے کے بعد مذکورہ جرائم کا ارتکاب، بنی اسرائیل کے حق میں اللہ تعالیٰ کے خلاف محاربہ اور اس کی شریعت سے سرکشی کا درجہ رکھتا تھا جس پر ان کے لیے موت کی سزا مقرر کی گئی۔

جہاں تک عبد اللہ بن مسعود کی حدیث میں مذکور جرائم، یعنی مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جانے اور شادی شدہ ہوتے ہوئے زنا کرنے کا تعلق ہے تو مصنف ان کو بھی حرابہ کے زمرے میں شمار کرتے ہیں۔ ان میں سے مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جانے سے مراد مصنف کے نزدیک نظم اجتماعی کے خلاف بغاوت کرنا

ہے جو واضح طور پر فساد فی الارض کی مثال ہے، جب کہ شادی شدہ کے لیے قتل کی سزا کا ذکر اس پہلو سے کیا گیا ہے کہ زنا کے بعض مجرموں کو بھی ان کے جرم کی نوعیت اور شخصی حالات کے لحاظ سے فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔ مصنف کے نزدیک مجرم کا شادی شدہ ہونا، سزا کی واحد بنیاد نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں دیگر کئی پہلوؤں کے ساتھ مل کر ایک ایسا قابل لحاظ پہلو بن جاتا ہے جس پر مجرم کو فساد فی الارض کا مرتکب قرار دیا جا سکتا ہے۔

اسی نوعیت کی توجیہ مصنف نے احادیث میں منقول واقعات میں سے توہین رسالت کے مجرموں کو قتل کرنے سے متعلق بیان کی ہے۔ ان کی راے میں اگر کوئی غیر مسلم معاند مستقل طور پر یہ روش اختیار کر لے اور تنبیہ و تادیب کے باوجود اصلاح پر آمادہ نہ ہو تو اسے محاربہ اور فساد فی الارض کا مجرم قرار دے کر موت کی سزا بھی دی جا سکتی ہے اور عہد نبوی میں جن مجرموں کو یہ سزا دی گئی، ان کے جرم کی نوعیت یہی تھی۔

حاصل یہ ہے کہ مصنف کے نقطۂ نظر کے مطابق سورۂ مائدہ کی زیر بحث آیت کی رو سے موت کی سزا کے لیے کسی جرم کا 'فساد فی الارض' کا مصداق ہونا ضروری ہے اور تورات میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں میں جن جرائم پر بھی سزاے موت دی گئی، وہ اس کا مصداق تھے۔ مصنف کی ذکر کردہ توجیہات سے کسی جرم کے فساد فی الارض کے تحت شمار ہونے کے جو اصول اخذ کیے جا سکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ بعض جرائم، مثلاً بغاوت، ڈاکا زنی اور زنا بالجبر وغیرہ نظم اجتماعی اور امن عامہ کو براہ راست منہدم کرنے کی وجہ سے فساد فی الارض کے تحت آتے ہیں۔

۲۔ بعض میں مجرم کا رویہ اور ناقابل اصلاح روش ان جرائم کو فساد کا مصداق بنا دیتی ہے، جیسے شراب نوشی، زنا اور توہین رسالت وغیرہ کو مستقل معمول بنا لینا اور توبہ و اصلاح کی طرف مائل نہ ہونا۔

۳۔ بعض جرائم کو مجرموں کی مخصوص حیثیت کی وجہ سے فساد فی الارض کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے، جیسے وہ مختلف جرائم جن کو تورات میں بنی اسرائیل کے لیے مستوجب قتل قرار دیا گیا ہے، مثلاً کسی شادی شدہ عورت سے بدکاری یا کسی آزاد کو غلام بنا کر بیچ دینا۔

۴۔ اسی ضمن میں بنی اسرائیل کی سرکشی کی پاداش میں ان کے لیے زیادہ سنگین سزائیں مقرر کیے جانے کو بھی ایک مستقل اصول شمار کیا جا سکتا ہے۔ قرآن مجید نے حلال اور حرام جانوروں کے تعلق سے بعض پابندیوں کی یہ نوعیت تو تصریحاً واضح کی ہے، جب کہ احکام شریعت کی پامالی پر بہت سی صورتوں میں سزاے موت مقرر کیے جانے کو بھی اس پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

۵۔ بعض جرائم اس پہلو سے سرکشی اور محاربہ کا مصداق ہیں کہ ان میں شریعت کی بعض ایسی حدود کو پامال کیا جاتا ہے جن کو عام حالات میں کوئی پامال کرنے کی جسارت نہیں کرتا اور ان کی پامالی، شریعت اور حدود اللہ سے متعلق مجرم کے باغیانہ ذہنی رویے کا اظہار کرتی ہے، مثلاً سوتیلی ماں کے ساتھ نکاح یا کسی محرم خاتون سے بدکاری کرنا وغیرہ۔

محاربہ اور فساد فی الارض

> ''اللہ کا رسول دنیا میں موجود ہو اور لوگ اُس کی حکومت میں اُس کے کسی حکم یا فیصلے کے خلاف سرکشی اختیار کر لیں تو یہ اللہ و رسول سے لڑائی ہے۔ اِسی طرح زمین میں فساد پیدا کرنے کی تعبیر ہے۔ یہ اُس صورت حال کے لیے آتی ہے، جب کوئی شخص یا گروہ قانون سے بغاوت کر کے لوگوں کی جان و مال، آبرو اور عقل و رائے کے خلاف برسر جنگ ہو جائے۔ چنانچہ قتل، دہشت گردی، زنا، زنا بالجبر اور چوری ڈاکا بن جائے یا لوگ بدکاری کو پیشہ بنا لیں یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئیں یا اپنی آوارہ منشی، بد معاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی عزت و آبرو کے لیے خطرہ بن جائیں یا نظم ریاست کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوں یا اغوا، تخریب، ترہیب اور اِس طرح کے دوسرے سنگین جرائم سے حکومت کے لیے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر دیں تو وہ اِسی فساد فی الارض کے مجرم ہوں گے۔'' (میزان ۶۱۳)

فقہا اور مفسرین نے بالعموم محاربہ کا مصداق راہ زنی اور ڈکیتی کو قرار دیا ہے۔ تاہم جلیل القدر تابعی مفسر مجاہد سے یہ رائے منقول ہے کہ آیت حرابہ میں مذکور 'فساد فی الارض' کے دائرے میں چوری، زنا، قتل اور حرث و نسل کی بربادی وغیرہ بھی شامل ہیں (طبری، جامع البیان ۶/ ۱۳۲)۔ دور جدید کے اہل علم کے ہاں بھی آیت حرابہ کو معاشرے اور ریاست کے خلاف جرائم کے وسیع تر تناظر میں دیکھنے کا رجحان نمایاں ہے اور وہ قانون کو ہاتھ میں لینے، ریاست کے اختیار اور اتھارٹی کو چیلنج کرنے، معاشرے کے امن و امان کو درہم برہم کرنے اور جان و مال اور آبرو کے حوالے سے خوف و ہراس کی صورت حال پیدا کر دینے کی ہر صورت کو اس کے مفہوم میں داخل مانتے ہیں۔ چنانچہ علامہ رشید رضا لکھتے ہیں کہ جان و مال اور آبرو کے خلاف عام نوعیت کے جرائم اگر جتھا بندی کی صورت میں کیے جائیں جس سے 'فساد فی الارض' کی کیفیت پیدا ہو جائے تو وہ 'حرابہ' کے تحت آ جاتے ہیں (رشید رضا، تفسیر المنار ۶/ ۲۹۶)۔

مولانا حمید الدین فراہی کے نزدیک سیدنا عمر کے نجران کے نصاریٰ کو سود کھانے کی بنا پر جزیرۂ عرب سے

جلاوطن کرنے کا ماخذ بھی آیت محاربہ ہے، کیونکہ اس میں فساد فی الارض کی سزا بیان ہوئی ہے اور سود بھی اسی کی ایک صورت ہے (تفسیر نظام القرآن، سورۂ بقرہ ۲۸۵)۔ مولانا امین احسن اصلاحی نے اس کے مفہوم میں 'زنا' کی بعض صورتوں کو بھی شامل قرار دیا ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک ''وہ گنڈے اور بد معاش جو شریفوں کے عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائیں، جو اغوا اور زنا کو پیشہ بنالیں، جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت و آبرو پر ڈاکے ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں، ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے'' (تدبر قرآن ۲/۵۰۶)۔ مولانا کی راے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عکل اور عرینہ کے لٹیروں اور بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کے یہود کے خلاف، جب کہ صحابہ نے مسیلمہ کذاب اور مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ اور خیبر کے یہود کو جزیرۂ عرب سے جلاوطن کرنے کے جو اقدامات کیے، ان سب کا ماخذ بھی یہی آیت ہے۔ (تدبر قرآن ۲/۵۰۷)

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

''...اکثر مفسرین نے اس جگہ رہزنی اور ڈکیتی مراد لی ہے، مگر الفاظ کو عموم پر رکھا جائے تو مضمون زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ آیت کی جو شان نزول احادیث صحیحہ میں بیان ہوئی، وہ بھی اسی کو مقتضی ہے کہ الفاظ کو ان کے عموم پر رکھا جائے۔ ''اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنا'' یا ''زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا'' یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے جو آگے مذکور ہیں، کسی نہ کسی سزا کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔'' (تفسیر عثمانی ۱۵۰)

مصنف کا رجحان بھی حرابہ اور فساد کے مصداق کی تعیین میں فقہا کی تعبیر کے بجاے اہل علم کے مذکورہ رجحان کے قریب تر ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

خورشید احمد ندیم

کیا مسلم معاشرے جمہوریت کے لیے سازگار نہیں؟

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحاب فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

'عرب بہار' کی پہلی لہر ۲۰۱۰ء کے اواخر میں تیونیسیا سے اٹھی تھی۔ اکیسویں صدی کی سب سے بالغ نظر مسلم سیاسی شخصیت راشد غنوشی کا تعلق بھی اسی ملک سے ہے۔ تیونیسیا میں ان دنوں ایک بار پھر سیاسی اضطراب ہے۔ منتخب پارلیمنٹ معطل ہے اور آمریت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ غنوشی کے ایثار کے باوجود، جمہوریت کا شجر ثمر بار نہیں ہو رہا۔

صرف تیونیسیا ہی نہیں، عرب بہار ہر جگہ خزاں میں بدل گئی۔ شام میں کیا ہوا؟ بشار الاسد چند ماہ پہلے پچانوے فی صد ووٹ لے کر ایک بار پھر صدر بن گئے۔ مصر میں پھانسی گھاٹ مستقل آباد ہے۔ منتخب صدر مرسی کا جنازہ جیل سے اٹھا اور ان کے بیٹے کا بھی۔ اسی طرح کا منظر بنگلہ دیش میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ ایران میں بھی انتخابات ہو رہے ہیں، مگر کیسے؟ وہاں شورائے نگہبان کے منتخب کردہ افراد ہی کو حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے۔ ترک جمہوریت کی کہانی فتح اللہ گولن سے سنی جا سکتی ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا میں ملائیشیا، بظاہر جمہوری ملک ہے، مگر مہاتیر محمد کے ہاتھوں انور ابراہیم کے ساتھ کیا سلوک ہوا؟ پاکستان کی جمہوریت کا ماضی اور حال ہمارے سامنے ہے۔ افغانستان میں دنیا نے حامد کرزئی صاحب کی جمہوریت دیکھی اور اشرف غنی صاحب کی بھی۔ طالبان تو خیر جمہوریت پر یقین ہی نہیں رکھتے۔ جہاں کا ذکر نہیں، وہاں بادشاہتیں قائم ہیں۔

بیسویں صدی میں، جب انسانی تاریخ نے ایک کروٹ لی اور قومی ریاستوں کے دور میں داخل ہوئی تو اس کی سیاسی بنت بھی تبدیل ہوئی۔ بادشاہت کی جگہ جمہوریت نے لے لی۔ غیر مسلم دنیا میں جمہوریت کے ساتھ دوسرا تجربہ اشتراکی ریاست کا تھا۔ مشرقی یورپ کا ایک بڑا حصہ اس کی گرفت میں رہا، یہاں تک کہ وہ وقت آیا جب دیوار برلن گرادی گئی۔ اب صرف جمہوریت ہے۔ اشراکیت زدہ ملکوں میں ابھی آمریت ہے۔ کہیں شخصی، کہیں یک جماعتی۔ غیر اشتراکی دنیا میں جمہوریت سیاسی ایمانیات کا حصہ بن چکی۔ مسلم دنیا میں کہیں جمہوریت پنپ نہیں سکی۔ ووٹ کی طاقت سے آنے والوں نے بھی بالآخر یہی چاہا کہ اقتدار کی تمام قوت ان کی ذات میں سمٹ آئے۔ اس سے سماجی علوم کے بعض ماہرین نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مسلم سماج کی نفسیاتی ساخت کچھ اس طرح بنی ہے کہ یہ جمہوریت کے لیے سازگار نہیں۔ کیا یہ مقدمہ درست ہے؟ کیا اس کی وجہ مسلم تاریخ ہے جو بادشاہت سے عبارت ہے؟ کیا اس کا سبب ہمارا فہم اسلام ہے جو اقتدار کے کسی غیر الٰہی مرکز کو قبول نہیں کرتا؟

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

یہاں جمہوریت سے میری مراد وہ سیاسی نظام ہے جس میں عوام کی اجتماعی دانش کو حق اقتدار حاصل ہوتا ہے۔ عوام کی اکثریت کسی فرد یا گروہ کو یہ حق تفویض کر سکتی ہے کہ وہ عوام کے مفادات کی نگہبانی کرے۔ اگر وہ اس میں ناکام رہتا ہے تو یہ حق عوام ہی کے پاس ہے کہ وہ اس گروہ کو کسی دوسرے گروہ سے بدل ڈالے۔ یہ گروہ طے کرے کہ ملک کی خارجہ پالیسی کیا ہو گی؟ معیشت کا نظام کیسا ہو گا؟ قومی مفاد کیا ہے؟

جمہوریت میں اکثریت کو حق اقتدار ملتا ہے، لیکن اکثریت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اقلیت کی رائے کا احترام کرے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں آزادی رائے کو یقینی بنایا جائے۔ اقلیت کو یہ حق حاصل رہے کہ وہ اپنا موقف جس طرح چاہے عوام کے سامنے رکھے۔ یہ ممکن ہے کہ آج کی اقلیتی رائے، کل اکثریت کی رائے بن جائے۔ یہ سماج کے فطری ارتقا کے لیے ضروری ہے۔ اگر کوئی معاشرہ آزادی رائے کی ضمانت نہیں دیتا تو وہ بہتے دریا کے بجائے ایک جوہڑ بن جاتا ہے جہاں فکری تعفن پیدا ہوتا اور اس کا تسلسل سماج کی حس شامہ کو ختم کر دیتا ہے۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ مسلم معاشروں میں جمہوریت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ سازی کا اختیار، عوام کے بجائے کسی خاص طبقے کو حاصل ہے۔ یہ مذہبی اشرافیہ ہو سکتی ہے۔ یہ بادشاہ ہو سکتا ہے۔ یہ مقتدرہ ہو سکتی ہے۔ یہ ایک خاندان ہو سکتا ہے۔ یہ کوئی ایک جماعت ہو سکتی ہے۔ تمام مسلم ممالک میں آج یہی صورت حال ہے۔ کہیں عوام کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے مقدر کا فیصلہ خود کریں۔ جس کو کسی وجہ سے

اقتدار حاصل ہو گیا، وہ اسے چھوڑنے کے لیے آمادہ نہیں۔

مسلم عوام غیر جمہوری حکومتوں کے خلاف احتجاج کے لیے تیار نہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمل کو قبول کیے ہوئے ہیں؟ کہیں ریاست کسی حد تک معاشی آسودگی فراہم کرکے عوام کو احتجاج سے روکنے میں کامیاب ہے۔ کہیں خوف کی چادر ہے جو معاشرے پر تنی ہوئی ہے؛ جان کا خوف، عزت کا خوف، مال کا خوف۔ کہیں اس کا سبب اہل سیاست سے مایوسی ہے۔

دنیا میں آج جہاں جمہوریت ہے، کیا وہاں جان و مال کا خوف نہیں تھا؟ کیا وہاں مذہبی جذبات کا استحصال نہیں ہوتا تھا؟ یقیناً تھا۔ یورپ میں کلیسا کی قوت کا کسے علم نہیں۔ بادشاہ کا خوف بھی کم نہیں تھا۔ اس کے باوجود، آخر کیا ہوا کہ بادشاہ کا خوف باقی رہا، نہ اہل کلیسا کا ڈر؟ ایک جمہوری معاشرے نے جنم لیا اور عوام طاقت کا سرچشمہ بن گئے۔ ایسی تبدیلی آئی کہ آج جمہوریت کے علاوہ کسی دوسرے سیاسی نظام کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی وجہ کم و بیش تین سو سال کی فکری جدوجہد ہے۔ وہ جدوجہد جس نے عوام کا زاویۂ نظر بدل ڈالا۔ جس نے ان کے سیاسی، سماجی اور مذہبی خیالات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور افکار کی ایک نئی فصل بو دی۔ اس کے نتیجے میں مضبوط سیاسی اور سماجی ادارے وجود میں آئے۔ ان اداروں نے ایک بنیادی نظام اقدار پر اتفاق کیا، جس میں جمہوریت سر فہرست تھی۔ آج عوام کی مرضی کے بغیر کوئی ان پر مسلط نہیں ہو سکتا۔

مسلم معاشروں کی تاریخ اس فکری جدوجہد سے خالی ہے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی کوشش ہوئی بھی تو وہ قدیم دور کے احیا کی ہوئی جسے نشاۃ ثانیہ کہا گیا۔ ہمارے اہل دانش نے مستقبل کا اگر کوئی خواب دیکھا تو وہ بھی ماضی کے آئینے میں۔ اس سوچ کے ساتھ کوئی نیا جہاں آباد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم نے مذہب کے ساتھ وابستگی کا مطلب یہ سمجھا کہ قدیم اداروں کو زندہ کیا جائے۔ یہ مذہب کی درست تفہیم تھی، نہ سماج کی۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ووٹ کے ذریعے سے برسر اقتدار آنے والے بھی، امیر المومنین، بننا چاہتے ہیں۔ مسلم سیاسی رہنما قبائلی لباس میں ملبوس ہوں، جبہ و دستار میں ہوں یا انھوں نے جدید سوٹ زیب تن کر رکھا ہو، ان کا تصور حکمرانی ایک ہو گا: ارتکاز اقتدار۔

جمہوریت کے لیے مسلم معاشروں کو پہلے فکری جدوجہد کے مرحلے سے گزرنا ہے۔ انھیں ایک نیا فکری بیانیہ تشکیل دینا ہے۔ وہ سیاسی ادارے بنانے ہیں جو جمہوریت کا دفاع کر سکیں۔ اسی طرح جمہوری اصولوں پر قائم سیاسی جماعتوں کے بغیر جمہوریت کا دفاع نہیں ہو سکتا۔ مضبوط سول سوسائٹی نہ ہو تو جمہوری قدروں کی

آبیاری ممکن نہیں، جو لوگوں کے حق اختلاف کے لیے موثر آواز اٹھا سکے۔

جب تک یہ مرحلہ طے نہیں ہو گا، مسلم ممالک میں جمہوریت نہیں آسکتی۔ اس فکری سفر میں لازم نہیں کہ ہمارے نتائج فکر سو فی صد وہی ہوں جو مغرب کے تھے۔ یہ مختلف ہو سکتے ہیں، مگر راستہ یہی ہے: معاشرے کی فکری و سیاسی تشکیل نو۔ بہ صورت دیگر صرف شراکت اقتدار کے فارمولے زیر بحث آئیں گے، جیسے آج کل کچھ ممالک میں ہو رہا ہے، بظاہر ووٹ ڈالے جا رہے ہوں گے، مگر پہلے سے طے ہو گا کہ کس جماعت کو کتنی نشستیں دی جائیں گی۔ یہ معلوم ہو گا کہ بشار الاسد کو پچانوے فی صد اور حسنی مبارک کو نوے فی صد ووٹ ملیں گے۔ یہ نتائج اتنے بدیہی ہوتے ہیں کہ کسی گیلپ سروے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔

(بشکریہ: دنیا نیوز)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر عرفان شہزاد

مسیح اور توہین مذہب کی صلیب

مسیح علیہ السلام کون تھے، کیوں تشریف لائے تھے، ان کے ساتھ کیا ہوا، ان کے مخالفین کون تھے اور انھوں نے ان پر کیا الزامات لگا کر انھیں مصلوب کرنے کی کوشش کی؟ یہ سب جاننا ہر دور میں ضروری تھا اور رہے گا۔ اس کے لیے انجیل کا مطالعہ لازماً کرنا چاہیے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

مسیح علیہ السلام دیگر رسولوں کی طرح توحید کی دعوت دینے نہیں آئے تھے۔ وہ ایسی قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو خدا کی وحدانیت اور اس کی شریعت پر پہلے سے ایمان رکھتی تھی۔ مسیح علیہ السلام کی دعوت خدا پر ایمان لانے کی نہیں، بلکہ خدا پر ایمان کی حقیقت یاد دلانے کی دعوت تھی۔ وہ شریعت کے عالموں کو فقہ کی ظاہر پرستی اور متصوفین کی خیالی دنیا سے حقیقت دین کی طرف متوجہ کرنے آئے تھے۔

شریعت کے یہ عالم وفقیہ وہ لوگ تھے جو یہ نہیں دیکھتے تھے کہ مسیح علیہ السلام نے خدا کی مدد سے کسی مزمن مریض کو صحت یاب اور کسی مردہ کو زندہ کر دینے کا معجزہ کر دکھایا ہے، اور اس بنا پر انھیں خدا کا رسول تسلیم کرتے ہوئے ان کی اطاعت کی جائے، وہ یہ دیکھتے کہ مسیح علیہ السلام نے یہ کام سبت کے دن کیوں کیے، جس دن کوئی بھی کام کرنا ان کے فہم شریعت نے حرام قرار دے رکھا تھا۔

وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ مسیح علیہ السلام کسب حلال پر کتنا زور دیتے ہیں، وہ یہ دیکھتے تھے کہ مسیح علیہ السلام اور ان کے پیروکار کھانے سے پہلے ہاتھ کیوں نہیں دھوتے تھے۔

وہ یہ باور نہیں کرتے تھے کہ مسیح علیہ السلام کے اعلیٰ اخلاق کس طرح دین سے دور لوگوں کو ان کا گرویدہ اور دین دار بنا رہے تھے، وہ یہ دیکھتے تھے کہ وہ گناہ گار سمجھے جانے والے ٹیکس کلیکٹرز اور بدکاروں کے ساتھ بیٹھ

کر کھانا کیوں کھاتے ہیں۔

انھیں اس مسیح کی تلاش تھی جو ان کی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ واپس دلا دے۔ وہ اسے ایک لیڈر اور بادشاہ کے روپ میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ یہ فقیر منش مسیح انھیں نہیں بھایا، جو انھیں دنیا کی بادشاہت کے بجاے آسمان کی بادشاہت (خدا کی خوشنودی اور ابدی نعمتوں کی بادشاہت) میں شامل ہونے کی دعوت دے رہا تھا۔

مسیح علیہ السلام کے اعلیٰ اخلاق بھی ان مذہبی پیشواؤں کی سنگ دلی موم نہ کر سکے۔ ان کے معجزات بھی ان کے پیغام کی صداقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ کرا سکے۔ انھیں خدا سے زیادہ اپنا مذہب عزیز تھا۔ ان کا مذہب ان کا خدا تھا، بلکہ ان کا فہم مذہب ان کا خدا تھا۔ اس کے خلاف جب خود خدا بول پڑا تو انھوں نے اسے بھی خاموش کرا دینا چاہا۔ مسیح علیہ السلام پر توہین مذہب اور ارتکاب کفر کے الزامات لگائے، اپنا مزعومہ کفر ان کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ کفران کے اپنے دماغ میں تھا جسے وہ ہر حال میں مسیح علیہ السلام کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔ چنانچہ عدالت لگوائی تو مسیح علیہ السلام سے صفائی طلب کرنے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے مزعومہ کفر کے الزام کا اقرار کرانے کے لیے۔ یہ عالم وفقیہ گواہ بھی اپنے لے کر آئے، مسیح علیہ السلام کی بات اس انداز میں پیش کی کہ وہ توہین مذہب اور کفر لگے۔ رومی عدالت کو وہ پھر بھی کفر اور توہین نہ لگی۔ مسیح علیہ السلام کی وضاحت ماننے کے لیے وہ تیار نہ تھے۔ مسیح علیہ السلام نے بھی ان کو ان کی مرضی کا بیان دینے سے انکار کر دیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

عدالت کا پس و پیش دیکھ کر دین کے ان بزعم خود محافظوں نے عدالت پر دباؤ ڈالنے کے لیے ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ ان کے سب سے بڑے پیشوا نے جوش میں آ کر اپنے کپڑے پھاڑ دیے کہ ہم نے جان لیا ہے کہ مسیح نے کفر بکا ہے، اس کو مصلوب کرنے سے کم پر ہم راضی نہ ہوں گے۔ کاہن اعظم کا جذباتی ڈراما کام کر گیا۔ لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا۔ عدالت پر اتنا دباؤ بڑھا کہ رومی گورنر نے پانی میں ہاتھ دھو کر کہا کہ اس بے گناہ کے خون سے وہ بری ہے۔ جاؤ جو کرنا ہے، کرو۔

یوں خدا کے پیغمبر کے خلاف جھوٹا مقدمہ جیت لینے کی خوشی میں اہل مذہب اور ان کے اندھے بہرے پیروکار نعرے لگاتے اور مسیح علیہ السلام کا ٹھٹھا اڑاتے، انھیں لے کر نکلے اور اپنے تئیں انھیں مصلوب کر دیا، مگر خدا، حسب وعدہ اپنے رسول کو بچا لے گیا۔

دین کے دفاع کے نام پر، دین داری کے پندار میں ان مذہبی پیشواؤں کی ان خباثتوں کے نتیجے میں خدا کی طرف سے ذلت ونکبت کا عذاب ان پر آن پڑا۔ ان کے ملک کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ قتل وغارت گری ہوئی۔

انھیں غلام بنالیا گیا۔ وہ دربدر ہو کر رہ گئے۔

یہ کہانی ہر دور کی کہانی ہے۔ اسے برپا کر کے خدا کی کتابوں میں اس لیے محفوظ کر دیا گیا ہے کہ ہر نسل کے لیے آئینے کا کام دے، جس میں دیکھ کر وہ معلوم کر سکیں کہ یہ کہانی جب ان کے دور میں برپا ہوئی تو انھوں نے اپنے لیے کون سے کردار کا انتخاب کیا۔ وہ مسیح وقت کے ساتھ کھڑے تھے یا مذہبی اشرافیہ کے ساتھ؟ وہ اس حق کے ساتھ تھے جو ان کے دل و دماغ کو قائل کر رہا تھا یا اسٹیٹس کو کے محافظوں کے ساتھ؟ وہ دلیل کے ساتھ کھڑے تھے یا اس کی مخالفت میں جمہور کے ساتھ؟

روز محشر ہر دور کی اس کہانی کے ہر کردار کا انجام وہی ہو گا جو اس کہانی میں بتا دیا گیا ہے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد وسیم اختر مفتی

مہاجرین حبشہ

(۴)

[''سیر و سوانح'' کے زیر عنوان شائع ہونے والے مضامین ان کے فاضل مصنفین کی اپنی تحقیق پر مبنی ہوتے ہیں، ان سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

نسب

حضرت معمر کے والد حارث بن قیس (ماں کی نسبت سے ابن غیطلہ) کا شمار قریش کے دس بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ ان کے دادا قیس بن عدی بھی زمانۂ جاہلیت میں اس قبیلہ کے ایک بڑے سردار تھے۔ حضرت بشر بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت تمیم بن حارث اور حضرت سائب بن حارث حضرت معمر کے بھائی تھے۔ ابن سعد نے ان کا نام معبد بتایا ہے۔

قبولیت اسلام

حضرت معمر بن حارث اولین مسلمانوں میں شامل تھے۔

باپ کی اسلام دشمنی اور ایمان

حارث بن قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا استہزا کرنے میں پیش پیش تھا۔ عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ہبار بن اسود، اسود بن مطلب اور عبدیغوث بن وہب اس کے شریک کار تھے۔ حارث بن قیس کے قبول اسلام کی روایت کو بیش تر مورخین نے نہیں مانا۔

حبشہ کی طرف ہجرت

حضرت معمر بن حارث نے اپنے بھائیوں حضرت بشر بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت ابوقیس بن حارث اور حضرت سعید بن حارث کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔

دوسرا سفر ہجرت

جب مکہ میں مقیم مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی اور غزوۂ بدر میں مشرکین مکہ کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا تو حضرت معمر بن حارث بھی مدینہ چلے آئے۔

بقیہ زندگی

حضرت معمر بن حارث کی باقی زندگی کے بارے میں معلومات نہیں ملتیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تجرید اسماء الصحابۃ (ذہبی)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

حضرت حارث بن حارث رضی اللہ عنہ

نسب نامہ

حضرت حارث بن حارث سہمی کے دادا قیس بن عدی زمانۂ جاہلیت میں قریش کے ایک بڑے سردار تھے۔ ان کے والد حارث بن قیس کا شمار بھی دس بڑے سرداروں میں ہوتا تھا۔ ان کی والدہ غیطلہ بنت مالک عرب کی مشہور کاہنہ تھیں۔ ان کی نسبت سے وہ ابن غیطلہ کہلاتے ہیں۔ حضرت بشر بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت ابوقیس بن حارث، حضرت تمیم بن حارث اور

حضرت سائب بن حارث حضرت حارث کے بھائی تھے۔

سبقت الی الاسلام

حضرت حارث بن حارث اولین مسلمانوں میں شامل تھے۔

باپ کا تمرد اور ایمان

حارث بن قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا استہزا کرنے میں پیش پیش تھا۔ عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ہبار بن اسود، اسود بن مطلب اور عبد یغوث بن وہب بھی اسی زمرہ میں شامل تھے۔ ابن عبد البر کہتے ہیں: حارث بن قیس نے بھی اسلام قبول کیا۔ دیگر مورخین نے ان کا دعویٰ نہیں مانا۔

حبشہ کی طرف سفر ہجرت

جب معاندین قریش نے تازہ واردان اسلام کے لیے عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر حضرت حارث بن حارث نے بھی عزم ہجرت کیا اور اپنے بھائیوں حضرت بشر بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث اور حضرت سعید بن حارث کے ساتھ حبشہ روانہ ہو گئے۔ ابن عبد البر کا بیان ہے کہ ان کے والد حارث بن قیس بھی اپنے بیٹوں کے ساتھ حبشہ گئے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

حبشہ سے واپسی

ابن ہشام کا بیان ہے کہ حضرت حارث بن حارث نے جنگ بدر کے بعد مدینہ کی طرف دوسری ہجرت کا شرف حاصل کیا۔ حبشہ میں رہ جانے والے باقی اصحاب رسول ۷ھ میں حضرت جعفر بن ابو طالب کے ساتھ دو کشتیوں میں سوار ہو کر شہر نبی آئے۔

شہادت

۱۳ھ: حضرت حارث بن حارث عہد صدیقی میں ہونے والے آخری معرکے جنگ اجنادین میں داد شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان ہونے والی اس پہلی بڑی جنگ میں رومی فوج کو شکست ہوئی اور فتح دمشق کی راہ ہموار ہو گئی۔

روایت حدیث

حضرت حارث بن حارث سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)۔

حضرت حجاج بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت حجاج بن حارث سہمی کے دادا کا نام قیس بن عدی تھا۔ بنو کنانہ سے تعلق رکھنے والی ام الحجاج ان کی والدہ تھیں۔ حضرت بشر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث اور حضرت سائب بن حارث حضرت حجاج کے بھائی تھے۔ سیر صحابہ کے مصنفین نے بتایا ہے کہ حضرت ابو قیس، حضرت عبد اللہ اور حضرت سائب، حضرت حجاج کے سگے بھائی تھے۔ حضرت عبد اللہ بن حذافہ ان کے چچا زاد تھے۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

قبول اسلام

حجاج بن حارث نے غزوۂ بدر میں مشرکین کا ساتھ دیا اور جنگ کرتے ہوئے مسلمانوں کی قید میں آئے، البتہ بعد میں وہ ایمان لے آئے۔ ابن اثیر کا دعویٰ ہے کہ حضرت حجاج بن حارث بھی اپنے بھائیوں کی طرح اولین مسلمانوں میں شامل تھے۔ ابن ہشام نے حجاج بن حارث کا نام جنگ بدر کے قیدیوں کی فہرست میں شامل کیا، لیکن ''السیرۃ النبویۃ'' کے شارح عبد الرحمان سہیلی کا کہنا ہے: میرے خیال میں اس مقام پر حجاج کا ذکر کرنا وہم ہے۔ وہ تو مہاجرین حبشہ میں سے تھے اور غزوۂ احد کے بعد مدینہ تشریف لائے۔ انھیں جنگ بدر کے اسیروں میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے؟ (الروض الانف ۵/ ۲۲۳)۔

ہجرت حبشہ

واقدی اور ابن اثیر کی طرح ابن جوزی نے بھی حضرت حجاج بن حارث کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔ ابن عبد البر نے حضرت حجاج کے انتہائی مختصر حالات بتاتے ہوئے لکھا کہ انھوں نے اپنے بھائیوں کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی اور غزوۂ احد کے بعد مدینہ لوٹ آئے، حالاں کہ اس سے پہلے وہ ان کے بھائی حضرت تمیم بن حارث کے ترجمہ میں بیان کر چکے تھے کہ حجاج بن حارث نامی ان کا چھوٹا بھائی جنگ بدر میں اسیر ہوا، یعنی تب تک

وہ مشرک تھے، اس لیے ان کی ہجرت حبشہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حبشہ سے واپسی

حضرت حجاج بن حارث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے بعد مدینہ تشریف لائے (اسد الغابۃ ۱/۳۵۰، ۳۸۰)۔

شہادت

۱۳ھ: حضرت حجاج بن حارث نے خلفاے راشدین کے زمانے میں ہونے والی فتوحات شام کی پہلی بڑی جنگ اجنادین میں جام شہادت نوش کیا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ حضرت حجاج بن حارث ۱۵ھ میں جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

اولاد

حضرت حجاج بن حارث کی کوئی اولاد نہ تھی۔

روایت حدیث

حضرت حجاج بن حارث سے کوئی حدیث روایت نہیں کی گئی۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، المنتظم فی تواریخ الملوک والامم (ابن جوزی)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

حضرت سائب بن حارث رضی اللہ عنہ

نسب نامہ

حضرت سائب بن حارث قریش کے بطن بنو سہم سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب کے مشہور سردار قیس بن عدی ان کے دادا اور کعب بن لؤی آٹھویں جد تھے۔ حضرت سائب کے والد حارث بن قیس قریش کے دس بڑے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

سرداروں میں سے ایک تھے۔ اپنی والدہ غیطلہ بنت مالک کی نسبت سے ابن غیطلہ کہلاتے تھے۔ ام الحجاج کنانیہ حضرت سائب کی والدہ تھیں۔ حضرت بشر بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت حارث بن حارث، حضرت تمیم بن حارث ، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت حجاج بن حارث اور حضرت ابو قیس بن حارث حضرت سائب کے بھائی تھے۔ ام الحجاج ہی آخری تینوں کی والدہ تھیں، اس لیے وہ ان کے سگے بھائی ہوئے۔

اسلام کی طرف سبقت

حضرت سائب بن حارث بعثت نبوی کے کچھ ہی دنوں بعد نعمت ایمان سے مالامال ہوئے۔

باپ کی مخاصمت

حضرت سائب کا باپ حارث بن قیس نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا استہزا کرنے میں پیش پیش تھا۔ دیگر مستہزئین عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ہبار بن اسود، اسود بن مطلب اور عبد یغوث بن وہب تھے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں: حارث بن قیس نے بھی اسلام قبول کیا اور حبشہ ہجرت کی۔ ذہبی کہتے ہیں: یہ بات درست نہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

حبشہ کا رخ

مشرکین مکہ کا ظلم و ستم بڑھا تو حضرت سائب بن حارث نے اپنے بھائیوں حضرت بشر بن حارث، حضرت عبداللہ بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت ابو قیس بن حارث اور حضرت حارث بن حارث کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی۔ حضرت تمیم بن حارث حبشہ نہ گئے۔

مدینۃ النبی میں آمد

جنگ بدر میں اہل ایمان کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی تو حضرت سائب بن حارث اپنے بھائیوں کے ہم راہ شہر نبی پہنچ گئے۔ یہ اللہ کی راہ میں ان کی دوسری ہجرت تھی۔

محاصرۂ طائف

شوال ۸ھ (فروری ۶۳۰ء): جنگ حنین میں مالک بن عوف کی قیادت میں لڑنے والی بنو ہوازن اور بنو ثقیف کی مشترکہ فوج نے مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی تو راہ فرار اختیار کرتے ہوئے طائف کا رخ کیا۔ انھوں

نے بنو ثقیف کے قلعہ میں پناہ لی جہاں سال بھر کا راشن جمع کیا ہوا تھا۔ دشمن کو قلعہ بند پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائف پہنچے اور قلعہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ کفار نے اچانک تیروں کی بوچھاڑ کر دی جس سے بارہ مسلمان شہید ہو گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر آپ نے منجنیق نصب کرا دی اور دبابہ کا استعمال کیا۔ اس دوران میں آپ کے منادی کرنے پر دس غلام قلعے سے باہر آئے اور آپ نے انھیں آزاد کر دیا۔ محاصرہ بیس سے زائد دن جاری رہا، آخر کار آپ نے محاصرہ اٹھانے کا حکم دیا، بنو ثقیف کے لیے ہدایت کی دعا کی اور فرمایا: ہمیں قلعہ فتح کرنے کا حکم نہیں ہوا۔ چنانچہ اسی سال ماہ رمضان میں طائف کا وفد مدینہ آیا اور انھوں نے اسلام قبول کر لیا۔

اللہ کی راہ میں شہادت

ابن اسحٰق کہتے ہیں: حضرت سائب بن حارث کی شہادت غزوۂ طائف میں ہوئی۔ ان کے بھائی حضرت عبد اللہ بن حارث بھی اسی معرکے میں شہید ہوئے۔ یہی روایت ابن ہشام نے اختیار کی۔ دیگر شہدا میں حضرت سعید بن سعید بن العاص، حضرت عرفطہ بن جنّاب (یا حُباب)، حضرت عبد اللہ بن ابو امیہ، حضرت ثابت بن جذع، حضرت حارث بن سہل اور حضرت عبد اللہ بن عامر شامل تھے۔ ابن ہشام نے شہدا کا شمار اس طرح کیا: قریش کے سات، انصار کے چار اور بنو لیث کا ایک فرد۔ ابن کثیر نے یہ تمام تفصیل ہو بہو نقل کی، گویا محاصرۂ طائف میں حضرت سائب کی شہادت ہونے پر انھیں اتفاق ہے۔

دوسری روایت کے مطابق حضرت سائب محاصرۂ طائف میں شریک ہو کر زخمی تو ہوئے، تاہم ان کی شہادت عہد فاروقی کی ابتدا میں اردن کے مقام فحل پر ہوئی جہاں وہ ذی قعد ۱۳ھ (یا ۱۴ھ) میں ہونے والی جنگ فحل میں شریک تھے۔

اولاد

حضرت سائب کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ ابن اثیر کہتے ہیں: ان کی شہادت سے حارث بن قیس کی نسل کا خاتمہ ہو گیا۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، تاریخ الاسلام (ذہبی)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

---

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.com

حضرت ابو قیس بن حارث رضی اللہ عنہ

عشیرہ اور قبیلہ

حضرت ابو قیس بن حارث مکہ میں پیدا ہوئے۔ پانچویں جد سہم بن عمرو کے نام سے موسوم بنو سہم قریش کا ذیلی قبیلہ تھا۔ ان کے دادا قیس بن عدی زمانۂ جاہلیت میں قریش کے مانے ہوئے سردار تھے۔ کعب بن لؤی پر حضرت ابو قیس کا سلسلۂ نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرہ سے جاملتا ہے۔ مرہ بن کعب آپ کے ساتویں جد تھے، جب کہ ان کے سگے بھائی ہصیص بن کعب حضرت ابو قیس کے ساتویں سکڑ دادا تھے۔ حضرت ابو قیس کی والدہ اپنی کنیت ام الحجاج سے جانی جاتی ہیں۔ وہ ام ولد تھیں اور ان کا تعلق حضر موت سے تھا۔ حضرت بشر، حضرت عبد اللہ، حضرت معمر، حضرت سعید، حضرت تمیم، حضرت حارث، حضرت حجاج اور حضرت سائب ان کے بھائی تھے۔ ام الحجاج حضرت عبد اللہ، حضرت سائب اور حضرت حجاج کی بھی والدہ تھیں، اس طرح یہ تینوں حضرت ابو قیس کے سگے بھائی ہوئے۔

مشہور جاہلی شاعر عبد اللہ بن زبعری حضرت ابو قیس کا چچا زاد بھائی تھا۔ مسلمانوں کے خلاف اشعار کہتا۔ فتح مکہ کے موقع پر نجران فرار ہوا، پھر لوٹ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معذرت کی، اسلام قبول کر لیا اور آپ کی مدح میں اشعار کہے۔

کعبہ کی تولیت اور قیس بن عدی

قصی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں جد تھے۔ ان کی شادی کعبہ کے متولی حلیل بن حبشیہ خزاعی کی بیٹی حبی سے ہوئی۔ عبد اللہ (عبد الدار)، مغیرہ (عبد مناف)، عبد العزیٰ اور عبد ان کے چار بیٹے ہوئے۔ اپنے سسر کی وفات کے بعد قصی نے بنو خزاعہ کو بے دخل کر کے کعبہ کا کنٹرول سنبھال لیا۔ وہ بوڑھے ہوئے تو بڑے بیٹے عبد الدار کو کعبہ کی کنجیاں دیں اور کہا کہ تم حاجیوں کو کھلانے پلانے کے ذمہ دار ہو۔ قریش کوئی صلاح مشورہ کرنا چاہیں تو تمھارے گھر دار الندوہ میں کریں گے۔ جنگ ہوئی تو قریش کا پرچم بھی تمھی اٹھاؤ گے۔ عبد الدار اور عبد مناف کی وفات ہوئی تو ان کی اولاد کے مابین کعبہ کے مناصب پر شدید تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ بنو عبد مناف اپنے آپ کو فضل و شرف کا حامل سمجھتے تھے اور ان بڑے عہدوں اور مناصب پر اپنے تایا زاد بھائیوں کے تسلط پر

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

معترض تھے۔ انھوں نے دوسرے قبائل کو اپنا ساتھ دینے کی دعوت دی تو بنو اسد، بنو زہرہ، بنو تیم اور بنو حارث بنو عبد مناف کے ساتھ بیت اللہ میں جمع ہوئے۔ بنو عبد مناف کی عورتوں نے خوش بو کا برتن صحن کعبہ میں رکھا، حلف میں شامل ان قبائل نے ہاتھ برتن میں ڈال کر کعبہ کی دیواروں سے مس کیے اور عہد کیا کہ کسی قیمت پر بھی کعبہ کو بنو عبد الدار کے سپرد نہ کریں گے۔ معاہدے کے شرکا 'المطیّبین' (عطر سے معطر ہونے والے) کے نام سے مشہور ہوئے۔ ادھر بنو عبد الدار بنو سہم کے سردار، حضرت ابو قیس بن حارث کے دادا قیس بن عدی کے پاس گئے اور بنو عبد مناف کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ قیس بن عدی نے ایک گائے ذبح کی اور قرار دیا کہ جو اس گائے کے خون میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لے گا، ہمارے حلف میں شامل ہو گا۔ اس پر بنو مخزوم، بنو جمح اور بنو عدی نے بنو سہم اور بنو عبد الدار کا ساتھ دینے کا عہد کیا۔ قیس بن عدی نے انھیں 'لعقة الدم' (خون چاٹنے والے حلیف) کا نام دیا۔ دونوں جماعتیں جنگ کے لیے تیار تھیں، لیکن بعض لوگوں نے ثالثی کر کے صلح کی ترغیب دی۔ فریقین نے اسے قبول کیا اور عہدوں کو اس طرح تقسیم کر کے جنگ و نزاع سے دست بردار ہوئے۔ کعبہ کی کلید برداری (حجابہ)، دار الندوہ (قریش کے صلاح مشوروں اور بیٹھکوں کے مرکز) کے اہتمام اور جنگ کی صورت میں قریش کی علم برداری (لواء) کے فرائض عبد الدار کو ملے، جب کہ حاجیوں کو پانی پلانے اور ان کی ضیافت و میزبانی (سقایہ و رفادہ) کی ذمہ داری عبد مناف کو حاصل ہو گئی۔

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

قبول اسلام

آفتاب اسلام طلوع ہوتے ہی حضرت ابو قیس نے ایمان لانے میں سبقت کی۔

باپ کی اسلام دشمنی

حضرت ابو قیس کا والد حارث بن قیس قریش کے دس بڑے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ بتوں کے چڑھاوے اس کے پاس جمع ہوتے اور وہ قریش کے باہمی قضیوں کا منصف بنتا۔ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا استہزا کرنے میں وہ پیش پیش تھا۔ اس عمل میں عاص بن وائل، ولید بن مغیرہ، ہبار بن اسود، اسود بن مطلب، عبد یغوث بن وہب اس کے ساتھی تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقُلۡ اِنِّیۡۤ اَنَا النَّذِیۡرُ الۡمُبِیۡنُ. کَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا ''اے نبی کہہ دیں، میں تو واضح طور پر تنبیہ

عَلَی الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ. الَّذِیۡنَ جَعَلُوا الۡقُرۡاٰنَ عِضِیۡنَ.(الحجر ۱۵: ۸۹-۹۱)

کرنے والا ہوں، جیسے ہم نے ان تفرقہ پردازوں پر تنبیہ اتاری تھی جنھوں نے قرآن کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔‘‘

جمہور مفسرین اس فرمان میں مذکور ’تفرقہ پردازوں‘ سے اہل کتاب مراد لیتے ہیں جنھوں نے اپنے قرآن، یعنی تورات کو تقسیم در تقسیم کر دیا تھا۔ تاہم مقاتل، فرا اور ابن عبد البر کا کہنا ہے کہ ’الۡمُقۡتَسِمِیۡنَ‘ سے مراد وہ سولہ مشرکین ہیں جنھیں ولید بن مغیرہ نے ایام حج میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف پروپیگنڈا کے لیے حاجیوں کے بیچ بھیجا تھا، حارث بن قیس ان میں سے ایک تھا۔ یہ لوگ دوسرے علاقوں سے آنے والے عازمین کے پاس جاتے اور کسی کو کہتے کہ یہ مدعی نبوت (معاذ اللہ) پاگل ہے، کسی کو بتاتے کہ جادوگر ہے، کسی کے سامنے آپ کے شاعر یا کاہن ہونے کا دعویٰ کرتے۔

حبشہ کو روانگی

مشرکین مکہ کا تازہ واردان اسلام پر ظلم و ستم روز افزوں ہوتا گیا تو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے ستم رسیدوں کو حبشہ ہجرت کر جانے کا مشورہ ارشاد کیا۔ حضرت ابو قیس بن حارث اپنے بھائیوں حضرت بشر بن حارث، حضرت عبد اللہ بن حارث، حضرت معمر بن حارث، حضرت سعید بن حارث، حضرت حارث بن حارث اور حضرت سائب بن حارث کے ساتھ ہجرت ثانیہ کے شرکا تھے۔ حضرت جعفر بن ابو طالب اس کاروان ہجرت کے امیر تھے، تاہم بلاذری کا کہنا ہے کہ حضرت ابو قیس کا حضرت جعفر کے ساتھ جانا ثابت نہیں۔

مدینہ کو مراجعت

۲ھ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بیش تر صحابہ ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے، پھر غزوۂ بدر میں مشرکین کو شکست فاش ہوئی تو حضرت ابو قیس بھی شہر نبی پہنچ گئے۔ غزوۂ احد اور دوسرے معرکوں میں حصہ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتدین کی سرکوبی میں شریک ہوئے۔

شہادت

۱۱ھ (۶۳۲ء): حضرت ابو قیس بن حارث عہد صدیقی میں ہونے والی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ یہ جنگ جھوٹے نبی مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے لڑی گئی۔ بنو حنیفہ کے چالیس ہزار افراد نے یہ کہہ کر اس کا

ساتھ دیا کہ ربیعہ کا کذاب ہمیں مضر کے سچے نبی سے زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عکرمہ بن ابو جہل اور حضرت شرحبیل بن حسنہ کامیاب نہ ہوئے تو حضرت خالد بن ولید نے یہ معرکہ سر کیا۔ اس جنگ میں چودہ ہزار مرتدین جہنم واصل ہوئے، جب کہ بارہ سو (چھ سو: ابن کثیر) اہل ایمان نے شہادت حاصل کی۔ شہدا میں ستر حفاظ قرآن شامل تھے۔

روایت حدیث

حضرت ابو قیس سے کوئی روایت مروی نہیں۔

مطالعۂ مزید: السیرۃ النبویۃ (ابن ہشام)، الطبقات الکبریٰ (ابن سعد)، جمل من انساب الاشراف (بلاذری)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (ابن عبد البر)، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ (ابن اثیر)، البدایۃ والنہایۃ (ابن کثیر)، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ (ابن حجر)۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

محمد ذکوان ندوی

عالمی مذاہب پارلیمان

۱۹؍ ستمبر ۲۰۱۸ء کو ''راما کرشنا مشن ہوم آف سروسز'' کی طرف سے بنارس ہندو یونیورسٹی (یوپی) کی فیکلٹی آف ایجوکیشن (چانکیا آڈیٹوریم) میں ایک پروگرام تھا۔ یہ پروگرام امریکا (۱۸۹۳ء) میں ہونے والے عالمی مذاہب پارلیمان (world parliament of religions) کی ۱۲۵ویں سالگرہ کے طور پر کیا گیا۔ اِس میں مختلف مذاہب کے علما کو مدعو کیا تھا۔ اُس کی دعوت پر میں نے اسلام کے نمایندہ کی حیثیت سے اِس میں شرکت کی۔ دعوت نامے میں یہ الفاظ درج تھے:

> "R. M. Mission has the pleasure of cordially inviting you to represent Islam at the Inter-Faith Meet....."

یہ سفر اپنے چند احباب حافظ محمد سلمان نوری، محمد نسیم عمری، محمد معاویہ سلمان عمری اور انجینئر موحد ندیم کے ساتھ ہوا۔ بنارس میں ہمارا قیام مشن کے وسیع کیمپس کے گیسٹ ہاؤس میں تھا، جو بہت سادہ اور پر فضا تھا۔ ہم لوگ ۱۹؍ ستمبر ۲۰۱۸ء کی صبح کو بہ ذریعۂ کار لکھنؤ سے بنارس کے لیے روانہ ہوئے اور ۲۰؍ ستمبر کی شام کو واپسی ہوئی۔ ذیل میں پروگرام کی ایک مختصر روداد درج کی جا رہی ہے۔

یہاں گفتگو کے لیے جو عنوان مجھے دیا گیا تھا، وہ تھا: ''امن اور ہم آہنگی: اسلام کی روشنی میں'' Harmony and Peace and not Dissension: According to Islam۔

اِس موضوع پر میں نے آدھ گھنٹے کا خطاب کیا۔ اِس میں اسلام کی فطری تعلیمات کو سادہ اور واقعاتی اسلوب میں پیش کیا گیا۔ اِس گفتگو کا خلاصہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

میں نے کہا کہ اسلام کوئی نیا دین نہیں، بلکہ وہ خدا کی طرف سے الہام کردہ ادیان کا آخری اور محفوظ ایڈیشن ہے۔اِسی طرح قرآن دین خداوندی کی پہلی کتاب نہیں، بلکہ وہ دین کی آخری کتاب ہے۔ایسی حالت میں، مذاہب کی صداقت پر یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ الہامی صحائف کی حیثیت سے موجود قرآن سے پہلے کی کتابوں (تورات، انجیل اور وید، وغیرہ) پر اُن کی نظر ہو۔ مسلم علما کو چاہیے کہ وہ اِن صحائف کو پڑھیں۔اِسی طرح دیگر اہل مذاہب کے لیے ضروری ہے کہ وہ گہرائی کے ساتھ قرآن کا مطالعہ کریں۔اِس طرح دونوں کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو سمجھیں اور کسی ایک خول میں محدود ہونے کے بجاے الہامی ادیان کے ابدی تسلسل کا حصہ بن سکیں۔

تمام الہامی مذاہب کو ماننے والے ہمارے اپنے بھائی ہیں۔ ہمارے اور اُن کے مابین اصلاً اشتراک کا رشتہ ہے، نہ کہ اختلاف کا۔ یہ سب انسان ہیں اور انسان ہونے کی نسبت سے ہمارے نزدیک وہ یکساں طور پر ہم دردی اور احترام کا درجہ رکھتے ہیں۔اِس ابدی انسانی رشتے کا شعور نہ ہونے کی بنا پر آج ہم 'انسانیت' پر خود ساختہ گروہوں کو ترجیح دے رہے ہیں۔اِسی غیر حقیقت پسندانہ ذہن کا یہ نتیجہ ہے کہ آج خدا کی بنائی ہوئی 'مورتیاں' (انسان) ہر جگہ توڑی جا رہی ہیں، مگر خود انسان کے اپنے ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیوں کو عقیدت اور سمّان دیا جا رہا ہے۔

اسلام کا خلاصہ بتاتے ہوئے میں نے کہا کہ تقویٰ اور خیر خواہی اسلامی تعلیمات کی بنیاد ہے۔اسلام خدا سے ڈرنے اور انسانوں کے ساتھ حسن اخلاق کا طریقہ اختیار کرنے کا نام ہے۔رسول اور اصحاب رسول کے واقعات کی روشنی میں اِس معاملے کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی گئی۔

ایک بات میں نے یہ کہی کہ انسانی سماج میں امن اور ہم آہنگی کا قیام صرف دو بنیادوں پر ممکن ہے: وحدت اللہ اور وحدت آدم۔ وحدت اللہ کا مطلب خدا کو اُس کی ذات اور صفات کے اعتبار سے ایک ماننا ہے، یعنی یہ کہ اِس کائنات کا خالق اور مالک صرف ایک خدا ہے۔عالم خلق و امر کا یہ پورا کارخانہ اُسی کے حکم اور اُسی کی حکمت و قدرت کے تحت چل رہا ہے۔اِس کائنات میں نہ دوسرا کوئی خدا ہے اور نہ اُس کے سوا کوئی اور ذات دعا و پرستش کے لائق قرار پا سکتی ہے۔

اِس سلسلے میں دوسری بنیاد وحدت آدم کا تصور ہے۔اِس کے مطابق، تمام مرد اور عورت ایک ماں اور باپ (آدم و حوا) کی اولاد ہیں۔ تمام مرد اور عورت باہم ایک دوسرے کے لیے خونی بھائی (blood brothers)

اور خونی بہن (blood sisters) کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وحدت آدم، وحدت اللہ سے الگ کوئی چیز نہیں۔ وحدت اللہ کے حقیقی تصور میں اپنے آپ وحدت آدم کا آفاقی تصور شامل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کو ایک ماننے کے بعد خدا کے بندوں کے مابین تفریق کا نظریہ سرے سے اپنی بنیاد کھو دیتا ہے۔

یہ پروگرام معروف مفکر سوامی وِویکا نند[1] (وفات: ۱۹۰۲ء) کے مشن کی طرف سے کیا گیا تھا۔ اِس لیے یہاں سوامی وویکانند کے بعض اقوال و واقعات کی روشنی میں اسلام سے متعلق اُن کے نقطۂ نظر پر بھی گفتگو کی گئی۔ مثلاً ایک بات یہ کہی کہ سوامی وویکانند کے نزدیک، یہ ایک بے اصل پروپیگنڈا ہے کہ قدیم زمانے میں یہاں ہندو قوم کو تلوار کے زور پر اسلام میں داخل کیا گیا:

It is nonsense to say, they were converted to Islam by sword.[2]

میں نے کہا کہ سوامی وویکانند کے نزدیک، ہندو قوم 'ویدانتا برین'[3] (Vedanta Brain) میں یقین رکھتی ہے۔ ایسی حالت میں اُس کے متعلق اِس قسم کا نظریہ سرتاسر لغو ہے۔ اِس طرح کی ایک قوم کے ذہن کو صرف آئیڈیالوجی کے زور پر ایڈریس کیا جاسکتا ہے، نہ کہ تلوار کے زور پر۔

پروگرام کے بعض شرکا نے بعد میں مجھ سے کہا کہ اِس عالمی مذاہب پارلیمان میں اسلام سب پر چھا گیا۔ لوگوں نے بہت سنجیدگی کے ساتھ اسلام کی باتیں سنیں اور اسلام کے سیشن پر سب سے زیادہ مثبت رسپانس دیا گیا۔ میں نے کہا کہ اسلام دین فطرت ہے اور یہ اُسی کا کرشمہ ہے۔

لکھنؤ سے ہم لوگ گڈورڈ بکس (نئی دہلی) کا ہندی ترجمۂ قرآن (پوتر قرآن) اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ میری درخواست پر منتظمین نے اُس کو نہایت ادب واحترام کے ساتھ حاضرین تک پہنچایا۔ اِس کی شکل یہ تھی کہ یونیورسٹی کی ایک خاتون نہایت خوب صورت ٹرے میں ترجمۂ قرآن کے نسخے اٹھائے ہوئے تھیں اور ایک دوسرے سینئر فیلو اُسے آڈیٹوریم میں بیٹھے ہوئے لوگوں تک پہنچا رہے تھے۔ پروگرام کے بعد 'کاشی' (بنارس)

۱۔ سوامی وویکانند کے حالات کے لیے ملاحظہ ہو فرانسیسی مصنف رومین رولانڈ کی درج ذیل کتاب: The Life of Vivekananda, by Romain Rolland۔

2. Religion, Conflict and Reconciliation, by Jerald D. Gort, Henry Jansen, H. M. Vroom, page 48.

3. Letters of Swami Vivekananda, Edited by Swami Vipulananda, page 380.

کے اِن تمام باشندوں کے ہاتھ میں ’’پوتر قرآن‘‘ کے خوب صورت نسخے موجود تھے۔ اِس منظر کو دیکھ کر ایسا محسوس ہورہا تھا، جیسے کاشی کی اِس سرزمین پر قرآن کا جشن منایا جارہا ہو، جیسے وید اور قرآن نے یہاں ایک ابدی سنگم کی صورت اختیار کرلی ہو۔

بعد میں یونیورسٹی کے طلبہ واساتذہ اور سوامی حضرات نے مل کر شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کو پڑھنے کی ہماری دیرینہ آرزو آج پوری ہورہی ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن انسانوں کے پروردگار کی طرف سے اُن کے نام بھیجا ہوا ایک سب سے زیادہ قیمتی تحفہ ہے۔ قرآن مسلمانوں یا کسی ایک گروہ کی کتاب نہیں، وہ انسانوں کے خالق اور مالک کی طرف سے تمام انسانوں کے نام زندگی کا ایک پیغام ہے، جس میں اُن کے لیے ہدایت اور فلاح کا ابدی راستہ کھولا گیا ہے۔

[لکھنؤ، ۵/ اکتوبر ۲۰۱۸ء]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

ڈاکٹر محمد جواد

آغا جی

میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ انیس صاحب نہیں ہوں گے اور میں ان کی یادیں ان کے دوستوں کے ساتھ Share کر رہا ہوں گا۔ اصل میں انیس صاحب کے ساتھ موت کا تصور یا لفظ کوئی میل ہی نہیں کھاتا، وہ مکمل طور پر ایک زندہ انسان تھے۔ فطری خواہشات، امنگوں، جذبات، خیالات اور محبت سے بھرے ہوئے۔ انھیں دیکھ کر اور ان سے مل کر صرف زندگی کا خیال آتا تھا۔ زندگی کی خوشبو آتی تھی اور جینے کی، اور کچھ اہم کام کر گزرنے کی آرزو پیدا ہوتی تھی۔ ان کی موت کی خبر سن کر میرے منہ سے نکلا:

"اگر انیس صاحب مر سکتے ہیں تو پھر کوئی بھی مر سکتا ہے۔"

میری اُن سے پہلی ملاقات آج سے ۳۳ سال قبل الحمرا آرٹ سنٹر کی میوزک کلاس میں ہوئی۔ میں اس وقت تقریباً ۲۰ سال کا تھا اور وہ تقریباً ۳۴ سال کے خوش پوش، صحت مند اور جوان آدمی تھے۔ شروع شروع میں ان کی میوزک کلاس میں آمد کو کسی نے بھی پسند نہ کیا۔ سب یہی سمجھے کہ موسیقی سے دل چسپی کا بہانہ ہے، یہ یہاں باقی مولویوں کی طرح سب مسلمانوں کو مسلمان کرنے آئے ہیں (اپنے مطابق)۔ ہم لوگوں میں موجود خدشات کو اور ہوا ملی، جب انھوں نے ایک دن کلاس فیلوز کو کہا کہ بتائیے زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ چند ایک جوابات سن کر بولے:

"زندگی کا اصل مقصد مالک کی اطاعت اور پرستش ہے اور اس اطاعت اور عبادت کو سمجھنے کا ذریعہ صرف اور صرف کتاب وسنت کا معقول فہم ہے۔"

گانا گانے اور مشہور سنگر بننے کے خواب دیکھنے والے لڑکوں کے لیے (سمیت میرے) یہ بڑا سٹپٹا دینے والا

پیغام تھا۔

اکثر لوگوں نے ایک کان سے سنا اور اُسی کان سے نکال دیا۔ اپنی کھوپڑی کو ذرا سی بھی زحمت دیے بغیر۔ میں اس وقت زندگی کی کچھ اس قسم کی الجھنوں میں پھنسا ہوا تھا کہ اس پیغام کو درست سمجھتے ہوئے بھی اس سے کچھ فرار یا وقتی فرار تلاش کرنا چاہتا تھا۔

انیس صاحب نے اپنی محبت اور خلوص سے میرے فرار کے تمام راستے بند کر دیے۔ کہنے لگے:

”آپ صرف گلوکار نہیں ہیں، نہ ہی صرف ادیب یا شاعر نظر آتے ہیں۔ فلسفہ آپ کا Subject ہے۔ میں آپ کو اپنے استاد سے ملواؤں گا۔ ان شاءاللہ نشست بڑی فکری اور منطقی ہو گی۔“

جاوید صاحب ان دنوں ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔ انیس صاحب مجھے اور شفقت حسین کو جاوید صاحب سے ملوانے لے آئے۔ اس وقت جاوید صاحب اس قدر مشہور نہیں تھے، مگر اسی طرح علمی سطح پر مضبوط بڑے اور ذہین اور فطین تھے۔

میں نے کچھ سوالات پوچھے، مذہب اور مذہبی لوگوں پر کچھ اعتراضات کیے۔ انھوں نے واقعی روایتی گفتگو کرنے کے بجاے بڑی عقلی اور منطقی گفتگو فرمائی۔ جاوید صاحب کے علاوہ انیس صاحب نے مجھے رفیع مفتی صاحب سے بھی ملوایا اور ان کے ساتھ میری کئی ملاقاتوں کا بندوبست کیا۔

www.al-mawrid.org
www.javedahmedghamidi.com

حیرت انگیز طور پر جاوید صاحب نے بھی دوسرے لوگوں پر نہ تو اتنی توجہ دی اور نہ اتنا غور فرمایا، جتنی توجہ انھوں نے راقم پر مرکوز کی۔ انیس صاحب ایک دفعہ ہمارے ایک دوست فرخ منظور کو جاوید صاحب کے پاس لے کر آئے۔ ملاقات انتہائی مختصر رہی۔ صرف مندرجہ ذیل مکالمہ معرض وجود میں آسکا:

جاوید صاحب: اس کائنات میں جگہ جگہ آپ کو مالک کی نشانیاں نظر نہیں آتیں؟

فرخ: مجھے کچھ ایسا نظر نہیں آتا۔

جاوید صاحب: ہر شے عابد نہیں لگتی، جسے کسی معبود کی ضرورت ہو۔

فرخ: مجھے تو خود بھی ایسی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

جاوید صاحب: تو پھر ٹھیک ہے جو آپ کو درست محسوس ہوتا ہے، وہی کریں۔

شفقت حسین سے بھی جاوید صاحب کی گفتگو آگے نہیں بڑھی، مگر مجھے انھوں نے ”تدبر قرآن“ پڑھنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس عظیم تفسیر کو پڑھیں اور کوئی بھی سوال آپ کے ذہن میں آئے تو میرے پاس تشریف لائیں۔

میں نے ''تدبر قرآن'' کا حق تو ادا نہیں کیا، مگر آج یہ بات میرے لیے باعث فخر ہے کہ میں نے جاوید صاحب جیسے اسکالر کی رہنمائی میں ''تدبر قرآن'' تقریباً نو دس مہینے میں مکمل کی۔

انیس صاحب سے ملاقاتیں اب بہت بڑھ چکی تھیں۔ الحمرا آرٹ سنٹر، انیس صاحب کا رحمٰن پورہ میں پرانا گھر، ریٹی گن روڈ پر موجود میرے نانا کا مکان، جاوید صاحب کی رہایش گاہ اور لارنس گارڈن، یہ وہ سارے مقامات ہیں جہاں پر میں انیس صاحب کے ساتھ گھومتا پھرتا رہا۔ گفتگو گھوم پھر کر زندگی، زندگی کے مقصد، خدا، خدا اور بندے کا تعلق، قرآن مجید، قرآن کے صحیح فہم اور کسی بڑے مقصد کی تلاش پر آ جاتی۔ یہ حقیقت ہے کہ فن کار ہونے کے باعث میرا دل خدا کے احساس سے کبھی خالی نہیں رہا، مگر مذہب کو باقاعدہ اختیار کرنا اس وقت میرے لیے بڑا مشکل تھا۔ مجھے یہ بھی سمجھ آ رہی تھی کہ by birth مسلمان ہونا اور by conviction مسلمان ہونے میں کتنا فرق ہے۔ رفیع مفتی صاحب نے جلد محسوس کر لیا کہ دین کو بھرپور طریقے سے اپنی زندگی میں شامل نہ کرنے کے پیچھے عقلی سے زیادہ نفسیاتی عوامل کار فرما ہیں۔ وہ بہت جلد مجھ سے مایوس ہو گئے اور ایک hope less case سمجھ کر انھوں نے میری طرف سے اپنا دھیان ہٹا لیا۔

جاوید صاحب نے بھی محسوس کیا کہ انیس صاحب اس نوجوان کو زبردستی پکڑ کر لاتے ہیں اور یہ اپنی خوشی سے نہ آتا ہے اور نہ جاتا ہے، مگر وہ کبھی بھی مجھ سے مایوس نہیں ہوئے۔

چند ہی سالوں بعد ۱۹۹۵ء میں شعبۂ فلسفہ جامعۂ پنجاب میں لیکچرر بھرتی ہونے کے لیے لیکچر شپ کا انٹرویو ہوا۔ جاوید صاحب نے مجھے کہا کہ میں ان کے دوست ڈاکٹر ساجد علی سے مل لوں۔ میں شعبۂ فلسفہ میں استاد مقرر ہوا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور انھوں نے مجھے مبارک باد دی۔

ایک دفعہ ڈاکٹر غزالہ عرفان کی جاوید صاحب سے Lums میں ملاقات ہوئی۔ جاوید صاحب نے میڈم کو میرے بارے میں کچھ کہا۔ اگلے دن ڈیپارٹمنٹ آئیں تو مجھے کہنے لگیں:

"He thinks very high of you"

ایک دن میں نے جاوید صاحب سے کہا کہ مجھے کچھ نصیحت کریں، مجھے غصہ بہت آتا ہے۔ جاوید صاحب فوراً کہنے لگے: ''کوئی بات نہیں، سب پر خلوص لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔''

مجھے فوراً محسوس ہوا کہ وہ میرے بارے میں بڑے خوش گمان ہیں۔ انیس صاحب چاہتے تھے کہ میں باقی سارے کام چھوڑ کر باقاعدہ جاوید صاحب کی شاگردی اختیار کروں اور دین کا عالم بنوں۔ میرا خیال تھا کہ مجھ جیسے

آدمی کا جاوید صاحب کی صحبت کے باعث باقاعدہ مسلمان ہو جانا ہی کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ میری زندگی کا ہر حصہ اور ہر گوشہ اس دینی شعور سے بدلتا اور تبدیل ہوتا جا رہا ہے، مگر میں اتنی بڑی چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ میرا یہ ٹمپرامنٹ نہیں ہے۔ جب انیس صاحب نے کچھ زیادہ زور لگایا تو تھوڑی بدمزگی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا:

''آپ مجھے چھوٹے بھیا کہتے ہیں، مگر اصل میں آپ ایک سخت گیر باپ کی طرح ہیں۔''

اس کا کیا مطلب چھوٹے بیٹا، انیس صاحب حیران ہوئے۔

''اس باپ کی طرح جو بیٹے کا مزاج دیکھے بغیر اسے اپنے مطلب کی field میں گھسا دیتا ہے۔''

انیس صاحب کو یہ بات بری لگی، وہ بالکل خاموش ہو گئے اور پھر ایک عرصہ تک انھوں نے مجھ پر کوئی زبردستی نہیں کی۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ اچانک بہت امیر ہو گئے تھے۔ اپنے دوستوں کے ہم راہ کاروباری ترقی کے باعث ماڈل ٹاؤن میں ایک بڑی سی کوٹھی میں رہایش پذیر تھے۔ میرے دفتر کی مصروفیات بڑھیں۔ فلسفے اور تدریس سے میری رغبت دن بدن بڑھنے لگی۔ ۲۰۰۱ء میں میری شادی ہو گئی۔ دسمبر ۲۰۰۱ء میں میری بیٹی پیدا ہوئی۔ ذمہ داریاں بڑھتی ہی چلی گئیں۔

انیس صاحب کی دفتری مصروفیات پھر بہت بڑھ گئی تھیں، مگر انھوں نے اپنے گھر کو علمی اور ادبی محافل کے لیے استعمال کرنا شروع کر دیا۔

ان کے اسی گھر میں میری ملاقاتیں احمد جاوید سے، شعیب منصور صاحب سے اور اشفاق احمد صاحب سے ہوئیں۔ انیس صاحب نے مجھے کئی لوگوں سے ملوایا، جن میں جنرل حمید گل، ڈاکٹر فاروق احمد خان، شعیب منصور، اشفاق احمد، بانو قدسیہ شامل ہیں۔ جاوید صاحب کے حلقے میں شامل ڈاکٹر منیر احمد، منیر امجد شیخ، آصف افتخار، کاشف محمود، ساجد صاحب، منظور الحسن اور دوسرے کئی دوستوں سے ملوایا۔ ''آبرو'' اسکول اور اس کی روح رواں روبینہ شکیل صاحبہ ان کے شوہر شکیل صاحب اور بہت سے ننھے فرشتوں سے ملاقات بھی انیس صاحب ہی کے توسط سے ہوئی۔

اخلاق الرحمان سے، جنھیں میں انسان کے روپ میں کوئی فرشتہ ہی سمجھتا ہوں، ملاقات بھی انیس صاحب نے ہی کروائی۔

انیس صاحب سے مل کر یہ احساس ہوا کہ کوئی شخص پانچ وقت کا نمازی اور روزے دار ہونے کے باوجود موسیقی کا رسیا، شاعری کا شوقین، خوب صورت اور ذہین، گفتگو کا دل دادہ، سفر کا شائق اور رشتے، ناتے اور

تعلقات کو آخری درجے تک نبھانے والا بھی ہو سکتا ہے۔

انھوں نے کئی چھوٹے اور بڑے بھائی، بیٹے، بیٹیاں، تائیاں، چاچیاں اور نانیاں بنائیں اور یہ رشتے نبھا کر دکھائے۔ مولود شاہد، عمران کریم اور آفتاب ان کے ان دوستوں میں سے ہیں جن کے ساتھ انھوں نے ایک عمر گزار دی۔ وہ بڑوں کے لیے انیس صاحب اور بچوں کے لیے آغا جی تھے۔ ہر کسی کے لیے ان کے دل میں بڑی جگہ تھی۔ نجانے اتنی جگہ ان کے دل میں کیسے نکل آتی تھی! انیس صاحب میری شادی، نوکری، بچوں کی پیدایش، عیدین، ماں باپ کی اموات، غرض ہر غمی اور خوشی میں میرے ساتھ رہے۔ وہ میرے گیارہ سالہ بیٹے امان اور سترہ سالہ بیٹے سبحان کے آغا جی تھے۔ ان کی موت کی خبر سن کر میں نے اپنے بچوں کو آنسوؤں سے روتے دیکھا اور مجھے یقین ہو گیا کہ نیکی اور بھلائی کی طرح محبت بھی کبھی بانجھ نہیں ہوتی۔ وہ انڈے، بچے دیتی ہے۔ محبت کا سفر ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل بھی ہوتا رہتا ہے اور آگے بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

انیس صاحب نے اتنی بہت سی محبتیں کیسے اور کیوں پال لی تھیں؟ میں اس سوال کا جواب بھی برسوں تلاش کرتا رہا اور آخر مجھے انھی کی زبانی اس کا جواب مل گیا۔ کہنے لگے:

”میرے والد فوج کے ایک معمولی ملازم تھے۔ والدہ سال کے کچھ عرصے درست ذہنی کیفیت میں رہتی تھیں اور کچھ عرصہ پوری طرح ہوش میں نہیں ہوتی تھیں۔ ان حالات میں، میں اور میرا بھائی کس طرح پلے ہیں اور کس طرح ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہے ہیں، یہ خدا ہی جانتا ہے اور یہ مالک ہی کی مہربانی ہے۔

ایک دن مجھے باہر کھیلتے ہوئے چوٹ لگ گئی، میری دائیں ٹانگ پر کچھ زخم لگ گیا تھا اور اس زخم سے خون بہ رہا تھا۔ میں چھوٹا سا تھا۔ میں روتے ہوئے گھر داخل ہوا تو میری والدہ جو ان دنوں درست ذہنی حالت میں نہیں تھیں، مجھے دیکھ کر اونچی اونچی رونے لگیں اور پھر ہم دونوں روتے روتے صحن میں ہی سو گئے۔“

اپنے بھائی کے بارے میں ایک دن فرمانے لگے:

”میرا بھائی بڑا اچھا ہے، مگر مزاج مجھ سے بالکل نہیں ملتا۔ میری طرح جذباتی بالکل نہیں ہے۔“

انیس صاحب کو جو رشتہ گھر سے نہ ملا، انھوں نے باہر بنایا، جو کمی بچپن اور لڑکپن میں رہی، اسے بعد کی زندگی میں پورا کیا۔ رشتے بنائے بھی اور نباہ کر بھی دکھائے۔ ہر رشتے کو دین کا، خدا کا اور خدا سے تعلق مضبوط کرنے کا درس دیا۔

"Note from Publisher: Al-Mawrid is the exclusive publisher of Ishraq. If anyone wishes to republish Ishraq in any format (including on any website), please contact the management of Al-Mawrid on info@al-mawrid.org. Currently, this journal or its contents can be uploaded exclusively on Al-Mawrid.org, JavedAhmadGhamidi.com and Ghamidi.net"

Trusted Name for Last 65 years

Best Treatment for Your Branded Kurtas, Bosky
Ladies' Shalwar Suits, Trousers, Dress Shirts & Jackets

Since 1949

Snowhite

DRYCLEANERS

Largest Cleaning Network ... COUNTRYWIDE!

TQCSI
Quality Certified
ISO 9001 : 2000

Brands of the year Award
IT'S ALL ABOUT CHAMPIONS
2011-2012

Web: www.snowhite.com.pk

Tel: 021-38682810